

ہفت روزہ

الفتح

کراچی

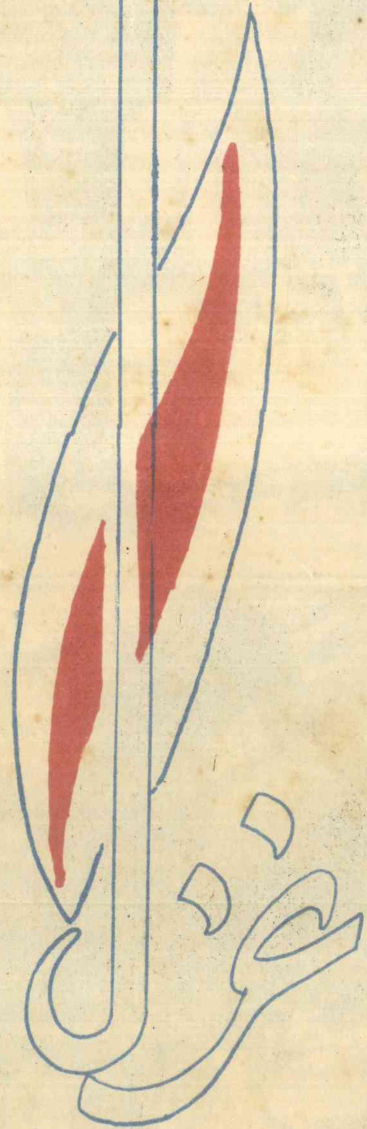
۱۱ - ۱۸ فروری ۱۹۷۱ء

اعلانِ تاشقند جل رہا ہے

(مضمون اندر ملاحظہ فرمائیں)

قیمت ۔۔۔ ۵۰ پیسے
ہوائی ڈاک سے ۔۔ ۶۰ پیسے





جس دیوانے نے جس عہد میں بھی حق کا اظہار کیا ہے
باطل کی اندھی طاقت نے اس کو وقفِ دار کیا ہے

○

اے مجھ پر انساں کی محبت کا الزام لگانے والو
اس محبوب گنہ سے آخر میں نے کب انکار کیا ہے

○

دیکھ فقیہہ شہر مجھے مذہب سے کوئی بیر نہیں ہے
سچ پوچھے تو تیری غلط تاویلوں نے بیزار کیا ہے

○

ایسے جانبدار خدا کی کیا عظمت ہو میرے دل میں
جس نے مجھے مجبور بنایا اور تجھے مختار کیا ہے

○

آج وہ گلشن میں بستا ہے آج وہ پھولوں کو ڈستا ہے
جس نے اپنے خون سے اس ویرانے کو گلزار کیا ہے

○

اے نمرودِ عصرِ حاضر میں ایسا مجرم ہوں جس نے
اپنے جرم کا موت کے شعلوں کی زد میں اقرار کیا ہے!

خدا کی بستی کے مظلوم عوام کا ترجمان

ہفت روزہ

الفتح

کراچی

جلد:- ۱ شمارہ:- ۳۹

۱۱ — ۱۸ فروری ۱۹۷۱ء

نگرانِ اعلیٰ

شوکت صدیقی



مدیر

ارشاد راؤ



معاونین خصوصی

صفدر میر — منہاج برنا

ایم ۔ کے ۔ جنجوعہ



مجلسِ ادارت

محمود شام - اشرف شاد - وہاب صدیقی

بحرین، کویت ——— ۶۰ فلس

دوبئی، قطر ——— ۵، درہم

سعودی عرب ——— ۱۵ قرش

انگلستان ——— ۲ شلنگ ۶ پنس

اداریہ

اشتیاق قریشی

کراچی یونیورسٹی کی انتہائی بدقسمتی ہے کہ اب تک ایوب خان کے مداح اشتیاق قریشی اس ادارے کے سربراہ ہیں غضب تو یہ ہے کہ موصوف نے طلباء کے ساتھ نہ صرف جانبدارانہ سلوک روا رکھا بلکہ اپنے ممدوح ایوب خاں کی طرح یونیورسٹی میں بھرپور آمریت کا مظاہرہ کیا۔ اسلامی جمعیت طلبہ اور جماعتِ اسلامی کے مخالف طلبہ کے لئے یونیورسٹی کے دروازے بند کر دیئے۔ انھیں گرفتار کروایا اور پولیس کے جبر و تشدد کی بھینٹ چڑھا دیا۔ ان کارروائیوں کے خلاف احتجاجی مظاہرے ہوئے، جلوس نکلے، طلبہ لاٹھی چارج اور آنسو گیس کا نشانہ بنے۔ وائس چانسلر کی برطرفی کے مطالبات سے فضا گونج اُٹھی۔ یہ سب کچھ ایک بار نہیں ہُوا بلکہ ان گنت بار دہرایا گیا۔ احتجاج میں پہلے سے کہیں زیادہ شدت ہوتی تھی۔ اس کے برعکس وائس چانسلر سے جواب طلبی نہ ہوتی کہ اے بندۂ خدا تیری راجدھانی کے یہ مظلوم کیوں چیخ رہے ہیں؟ حکام نے اشتیاق حسین صاحب کے اس رویّے کو اہلیت اور صلاحیت کی سند کے طور پر جانا اور نوکری پکی ہوتی رہی۔

ا ن بی یہ سوال محبِ الوطن شہریوں کو پریشان کر رہا ہے کہ ... ط



	فی پرچہ	سالانہ	ششماہی
مغربی پاکستان	۵۰ پیسے	۲۵ روپے	۱۳ روپے
ہوائی ڈاک سے	۶۰ پیسے	۳۰ روپے	۱۶ روپے

خط و کتابت کے لئے

دفتر ہفت روزہ "الفتح"، ۸ ڈی۔ نرسری کمرشل ایریا۔ پی، ای، سی، ایچ، ایس۔ کراچی ۲۹

ایڈیٹر پبلشر ارشاد راؤ ٥ مطبع حقی آفسٹ پریس لیاقت آباد کراچی

مقام اشاعت: ۸ ڈی نرسری کمرشل ایریا، پی ای سی ایچ ایس۔ کراچی ۲۹

اشتیاق قریشی پر حکام کی اس قدر مہربانیاں کیوں ہیں؟ کہیں وہ کراچی میں بیٹھے ہوئے کسی پاکستانی سوہارتو کے لئے نوکر شاہی کی کھیپ تو تیار نہیں کر رہے۔ یقیناً وہ یہی کر رہے ہیں! ایک ملک دُشمن مشن کی تکمیل میں مصروف ہیں۔ تبھی تو کراچی یونیورسٹی میں وہی طلبہ تعلیم پا سکتے ہیں جو پاک امریکہ دوستی کے لئے خطرہ نہ بن سکیں۔ وہ بڑی کوشش کرتے ہیں کہ حکام کی خوشامد، چاپلوسی اور قرب کے ذریعے یہ گرانمایہ نوکری برقرار ہے۔ لیکن ہر سال اُن کی توقع کے خلاف سینکڑوں سامراج دُشمن طلبہ داخلہ حاصل کرنے میں کامیاب ہو جاتے ہیں۔ جب یہ راز کھلتا ہے تو اشتیاق قریشی کی نیندیں حرام ہو جاتی ہیں۔ ان طلبہ کو نکالنے کے لئے "اشتیاق مشاورتی بورڈ" پلان بناتا ہے اور پھر طلبہ کی مزدوروں کی طرح چھانٹی شروع ہو جاتی ہے

۱۹۷۱ء اشتیاق حسین کے لئے ایک اور طبقے کا احتجاج اپنے دامن میں لے کر ظہور پذیر ہُوا ہے۔ انجمن اساتذہ کراچی یونیورسٹی کے فاضل اور قابلِ احترام اساتذہ بھی طلبہ کی صف میں شامل ہو گئے ہیں۔ انھوں نے وائس چانسلر سے استعفیٰ طلب کر لیا ہے۔ بے چارے اساتذہ نے نرمی برتی ہے۔ شاید اس لئے برطرفی کا مطالبہ کرنے کی صورت میں انھیں روزگار سے محروم نہ کر دیا جائے۔ وہ جانتے ہیں کہ اس یونیورسٹی میں اب بھی اشتیاق قریشی کا طوطی بولتا ہے۔ وہ سیاہ و سفید کے مالک ہیں۔ طبعِ نازک پر برطرفی کا مطالبہ گراں گزرا تو اُن پر قیامت ٹوٹ پڑے گی۔

۱۹۷۱ء ایوب خان کے دَور کی ضد ہے۔ عوام نے اس سال عوام دوستوں کے حق میں فیصلہ دیا ہے۔ ان کی نظریں اشتیاق قریشی پر پڑتی ہیں، تو سندھ میں اکثریتی پارٹی سے اپنی تمام تر توقعات وابستہ کر دیتے ہیں۔ وہ چاہتے ہیں کہ پیپلز پارٹی کراچی یونیورسٹی کے معاملات میں دلچسپی لے۔ حکام کو مجبور کرے کہ وہ یونیورسٹی کے آمرِ مطلق اشتیاق قریشی کا محاسبہ کریں۔ یونیورسٹی کی فضا کو بہتر بنائیں اور طلبہ اور اساتذہ کے مطالبات منظور کرتے ہوئے کراچی یونیورسٹی کی سربراہی کے فرائض کسی ایسی شخصیت کو سونپے جائیں جو غیر جانبدار ہو۔

آج بھی یہ سوال محب الوطن شہریوں کو پریشان کر رہا ہے کہ اشتیاق حسین پر حُکام کی اس قدر مہربانیاں کیوں ہیں کہیں وہ کراچی میں بیٹھے ہُوئے کسی پاکستانی سوہارتو کے لئے نوکر شاہی کی کھیپ تو تیار نہیں کر رہے۔



کشمیری رہنما میر عبدالمنان سے ایک ملاقات

کشمیریوں نے آزادی کا راستہ پہچان لیا ہے

دنیا بھر کے حریت پسندوں کی طرح ہم بھی اپنے پاؤں پر کھڑے ہیں

ان خوش قسمت افراد میں
عبدالمنان سیکرٹری جنرل جموں کشمیر محاذ رائے شماری مغربی پاکستان
سے ہیں جنہیں آئندہ کا مؤرخ جموں و کشمیر قومی محاذ آزادی کے کارناموں کو
قلمبند کرتے ہوئے اُن بنیادی ارکان کی فہرست میں شامل کرے گا جنہوں نے پچاس
لاکھ کشمیریوں کو بھارتی توسیع پسندوں کے ظلم و تشدد وحشت و بربریت اور غلامی
سے نجات دلانے کے لئے اعلان تاشقند کو اپنے پاؤں تلے روند ڈالا۔ اقوام متحدہ کی قراردادوں
کے ساتھ بھارتی حکمرانوں کو انہی کی زبان میں زناٹے دار جواب دیا۔ حصولِ آزادی کے لئے
خود اعتمادی کے اصول کو مشعل راہ بنایا۔ کشمیریوں کو عظیم مسلح جدوجہد کے لئے منظم
کیا۔ جس کے نتیجے میں پہلی بار دو حریت پسندوں جناب اشرف قریشی اور ہاشم قریشی
نے بھارتی فضائی کمپنی کے طیارے کو اغوا کیا۔ اس طیارے کو لاہور ایئرپورٹ پر اتارا۔
دشمن کو الٹی میٹم دیا۔ دشمن کی گردن میں تناؤ پیدا ہوا تو حریت پسندوں نے
طیارے کو بموں کے دھماکوں سے اڑاتے ہوئے ستمبر ۱۹۶۵ء کے شہیدوں کو خراج
عقیدت پیش کیا۔ زندہ دلان لاہور نے دیکھا کہ ان کے شہیدوں کا لہو رنگ
لا رہا ہے۔ کشمیر جاگ اٹھا ہے۔ اس کے جوانوں نے وطن کے لئے خون دینے کا راستہ
اپنا لیا ہے۔ اعلان تاشقند دفن ہو گیا اور اب کشمیر کی آزادی کی راہ میں کوئی طاقت
حائل نہیں ہو سکتی۔

ارشاد راؤ

"بھارتی توسیع پسندوں کے طیارے کے اغواء اور تباہی سے پاکستان کا کوئی تعلق نہیں۔ پاکستان کے حکمران طبقے نے "اعلان تاشقند" کے متن ہی نہیں بلکہ اسے جنم دینے والے امریکی اور روسی گٹھ جوڑ کے دباؤ کو اس قدر قبول کیا کہ کشمیریوں کے لئے آزاد کشمیر میں بھی جدوجہد کی سرگرمیاں جرم بن گئیں۔ وزارت امور کشمیر نے آزاد خطے کو اپنی من مانی کارروائیوں کا حصہ بنا لیا۔ یہی وجہ تھی کہ محاذ رائے شماری نے آزاد کشمیر کے انتخابات کا بائیکاٹ کیا۔ ... کے متوالے اعلان تاشقند پر لعنت بھیجتے ہیں۔ اسے دو کشمیر تسلیم کر لینے کی دستاویز سے زیادہ وقعت نہیں دیتے۔ اور اس کے پرخچے اڑا کر مسلح جدوجہد کے ذریعے اپنے وطن کو بھارتی درندوں سے آزاد کرانے کا عزم کئے ہوئے ہیں۔ کشمیر کشمیریوں کا ہے۔ وہ ہر قسم کی غلامی سے نجات چاہتے ہیں۔ ایک کشمیر اور مکمل طور پر آزاد اس کے لئے مسلح جدوجہد کا راستہ کشمیریوں نے اختیار کر لیا ہے۔ اور وہ آخری فتح تک دشمن کے خلاف لڑتے رہیں گے۔"

میر عبدالمنان کی ان باتوں میں پاکستان کے حکمرانوں سے نہ صرف شکایت تھی بلکہ وہ اس امر کی نشاندہی کر رہے تھے کہ پاکستان کی حکومت عملی طور پر مسئلہ کشمیر کو حل کرانے کے لئے کوئی اقدام نہیں کر رہی۔ بلکہ اس کے برعکس وہ لوگ زیر عتاب ہیں جو بھارت کے خلاف آزادئ کشمیر کے لئے مسلح جدوجہد پر ایمان رکھتے ہیں۔ حکومت پاکستان کی یہ کوششیں کس حد تک کامیاب ہوئی ہیں اس کا اندازہ آزاد کشمیر کے نام نہاد صدر سردار عبدالقیوم کے حالیہ بیانات اور طیارے کی تباہی پر اندرا کے شدید ردعمل میں یکسانیت سے لگایا جا سکتا ہے۔ سردار قیوم نے وزارت امور کشمیر کے فرمان کی پابندی کرتے ہوئے جو کچھ کہا ہے وہ امرت سر میں رہنے

والے کسی سکھ کے تاثرات سے زیادہ حیثیت نہیں رکھتا
میر صاحب سردار عبدالقیوم کا تذکرہ کرتے ہوئے ایک کرب سا محسوس کر رہے تھے کہ اچانک کسی نے ٹیلیفون پر ان سے رابطہ قائم کیا۔ میر صاحب نے اس موقع پر اپنے مخاطب سے جو کچھ کہا وہ یہ ہے۔ "اچھا مظفرآباد میں کھڑک سنگھ کے خلاف مظاہرے ہو رہے ہیں ٹھیک ہے، اسے پتہ چلنا چاہیئے کہ وہ جو کچھ کہہ رہا ہے کشمیریوں کی آواز نہیں۔ بہت جلد۔ جی ہاں، نمک حلال کر رہا ہے۔ لیکن کب تک۔ ٹھیک ہے جی، میں آپ سے پھر بات کروں گا، ابھی ذرا مصروف ہوں۔"

میر صاحب نے ریسیور رکھتے ہی کہا' سردار عبدالقیوم کے خلاف آزاد کشمیر میں غم و غصے کی لہر دوڑ گئی ہے۔ ظاہر ہے شدت اختیار کر رہے ہیں۔ سردار صاحب کو معلوم ہو جائے گا کہ آزادی کے لئے جد و جہد کرنے والوں پر لعن طعن کے کیا نتائج برآمد ہوتے ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ آزاد کشمیر کے سیاست والوں نے آج تک جو ہم وطنوں کی خدمت کی ہے۔ اس کا مقصد صدارت اور وزارت کا حصول تھا۔ انہوں نے پاکستان کے حکمرانوں کی جی حضوری کو ہی حد

عوامی فیصلے کو کوئی رد نہیں کرسکتا

یہ باتیں پہلے تو دبی زبان میں سنائی دیں کہ:

- بھارتی فضائی کمپنی کا طیارہ ایک منصوبے کے تحت اغوا کیا گیا اور پھر اسے لاہور ایئرپورٹ پر بموں سے اڑا دیا گیا۔ اس کا مقصد مجیب پر دباؤ ڈالنا ہے۔ مجیب کی پارٹی نے قومی اسمبلی میں سب سے زیادہ نشستیں حاصل کی ہیں اور وہ بدستور چھ نکات پر اڑے ہوئے ہیں۔ لہٰذا یہ ڈرامہ کھیلا گیا ہے۔
- امریکہ نے سازش کی ہے۔ بائیں بازو کی جیت کو شکست میں بدلنے کا پروگرام شروع ہو چکا ہے۔ اب یہ معاملہ بڑھے گا۔ اندرا اپنی انتخابی مہم کو تیز کرنے کے لئے انتہائی اقدام سے بھی گریز نہیں کرے گی۔ امکان ہے کہ جنگ چھڑ جائے اور ایسے حالات میں اقتدار عوامی نمائندوں کے سپرد نہ ہو سکے گا۔
- امریکہ نے اس سازش کے لئے بھارت کو استعمال کیا ہے۔ پاکستان میں جمہوریت کی کامیابی سے بھارت اور دوسرے سامراجی بوکھلا اٹھے تھے جمہوریت کی بحالی سے افغانستان اور ایران پر شدید اثرات مرتب ہوتے۔ امریکہ یہ نہیں چاہتا، ڈرامہ پیل دیا ہے۔ اور اب ایسے حالات پیدا کئے جا رہے ہیں انتخابات کے نتائج دھرے کے دھرے رہ جائیں گے۔
- یہ طوفان پاکستان پیپلز پارٹی کی پیداوار ہے۔ ادھر مجیب سے مذاکرات ناکام ہوئے۔ ادھر طیارہ اغوا کر لیا۔ بھٹو صاحب نے حریت پسندوں سے بات چیت کے دوران یہاں تک کہہ دیا، کہ گزرو میں تمہارے ساتھ ہوں۔ اس پر طیارہ بموں کی نذر ہو گیا۔ دراصل بھٹو مجیب کا اصلی چہرہ عوام کے سامنے پیش کرنا چاہتے تھے۔ کہ وہ کشمیر سے زیادہ بھارت کی دوستی کو ترجیح دیتے ہیں۔ بہت کامیاب سیاست دان ہے۔ مجیب کا بیان پڑھ لو۔ یہ تو مجیب اور بھٹو کی جنگ ہے۔

یہ طریقہ رائے عامہ پر مجیب، سردار قیوم اور حکومت پاکستان کے سرکاری ترجمان اور وزارت امور کشمیر کے اعلان تاشقند کی روشنی میں جاری ہونے والے بیانات ٹھونسنے اور انہیں شدید عوامی رد عمل سے بچانے کے لئے اختیار کیا گیا۔ اس میں عوام کی نفسیات سے کھیلنے کی بھرپور سعی سے کام لیا گیا۔ اس پر عمل کرنے والوں کے ذہن میں یہ باتیں تھیں۔

پاکستان کے عوام امریکہ سے شدید نفرت کرتے ہیں۔ بھارت کو دشمن نمبر ایک گردانتے ہیں۔ طیارے کی تباہی کو ان کی مشترکہ سازش قرار دیا گیا تو عوام اسے قبول کر لیں گے۔ اسے سازش ثابت کرنے کے لئے انتخابات میں بائیں بازو کی شاندار کامیابی کو سبوتاژ کرنے کی کوشش کو شامل کیا گیا۔ بھٹو اور مجیب کی حالیہ ملاقات کا تانا بانا اس طرح جوڑا گیا کہ بھٹو صاحب کے بارے میں جماعت اسلامی کا پراپیگنڈہ درست ثابت ہو کہ وہ سوشلزم کے نام پر امریکی مفادات کی نگہبانی کرنا چاہتے ہیں۔ اصل میں تو وہ نکسن کے آدمی ہیں۔

مجیب اور سردار قیوم اور شوکت حیات کے بیانات کے بعد اس پروپیگنڈے نے شدت اختیار کر لی۔ جسارت نے صفحہ اول پر الٹا مارچ کے عنوان سے ایک مقالہ خصوصی لکھا۔ چھٹ بھیئوں نے راگ الاپنا شروع کر دیا کہ طیارہ ایک سازش کے تحت اپنے انجام کو پہنچا ہے۔ مجیب سچ کہہ رہے ہیں۔

۲۳ سال تک مسلسل سامراج اور اس کے ایجنٹوں کی سازشوں شکار ہونے والے عوام کے لئے یہ پراپیگنڈہ نیا نہیں۔ وہ جانتے ہیں کہ بدنام زمانہ اعلان تاشقند کو سینے سے لگانے والے امریکی اور روسی سامراج کے گٹھ جوڑ سے پاکستان کو ختم کرنا چاہتے ہیں۔ وہ کشمیر کو بھارت کا جزو لاینفک تسلیم کر چکے ہیں۔ اور پاکستان کی جڑیں اکھاڑ پھینکنا چاہتے ہیں۔ ان کا آزادیٔ کشمیر سے صرف اتنا تعلق ہے کہ وہ کشمیر کی آزادی کا نعرہ لگانے والی زبان کھینچنے کا ارادہ رکھتے ہیں۔ انتخابات کی صورت میں عوامی فیصلے کو کوئی رد نہیں کر سکتا۔ اور کشمیریوں کے حق خود اختیاری کی جد و جہد سے پاکستان اور دنیا بھر کے حریت پسندوں کو الگ تھلگ رکھنے کی تمام کوششیں ناکام ہو جائیں گی۔

جہد آزادی سمجھ لیا۔ ان کی اس روش پر شیر کشمیر شیخ عبداللہ اور فخر کشمیر مرزا افضل بیگ اور حریت پسندوں کو خاصی تشویش لاحق رہی۔ شیر کشمیر نے لندن میں اپنے قیام کے دوران کشمیریوں کو جو پیغام دیا وہ یہ تھا، کہ کشمیریوں کی ایک آواز ہونی چاہیئے۔

اس دعوت پر آزاد کشمیر کے شعبدہ باز سیاستدانوں کے چنگل سے عوام کو نکالنے کے لئے سیالکوٹ میں جموں کشمیر محاذ رائے شماری کا ایک کنونشن طلب کیا گیا۔ اس میں چار سو کے لگ بھگ افراد نے شرکت کی عبدالخالق انصاری صدر منتخب ہوئے اور امان اللہ خاں کو سیکرٹری جنرل کی ذمہ داریاں سونپ دی گئیں۔ مقبول بٹ صاحب کو نشر و اشاعت کا شعبہ دیا گیا۔ کنونشن کے اختتام پر عہدیداروں نے حلف وفاداری کی رسم سچیت گڑھ کے بارڈر پر ادا کی۔ میں بھی ان میں شامل تھا۔ ۱۸ سال کے جب دور سے اپنے دیس کی سرزمین کو دیکھا تو ہیجانی کیفیت پیدا ہو گئی۔ ہم میں ہر اک جذبات میں بہہ چکا تھا۔ بارڈر پولیس کا ایک سپاہی ہمارے ساتھ تھا۔ اس نے دو سفید لکیروں کے پاس پہنچتے ہی رکنے کی ہدایت کی کہ پہلی سفید لکیر سے آگے نہ جائیں۔ اس سے آگے والی لکیر مقبوضہ حصہ ہے۔ اندازہ لگایئے کہ ہم پہ کیا گزری ہوگی۔ وطن کی سرزمین میں داخل ہونے پہ پابندی کا احساس آنسوؤں کی صورت میں ہوا۔ آوازیں رندھ گیئں۔ ایک ساتھی بے قابو ہو کر زمین



ایڈیٹر الفتح ارشاد راؤ کو میر عبدالمنان ایک اہم دستاویز دکھا رہے ہیں

کشمیری مجاہدوں نے آخری فتح تک لڑنے کا عہد کیا ہے

پر گر پڑا۔ اس عالم میں ہم نے حلف اٹھایا۔

"ہم اپنے وطن کی مقدس خاک کو لے کر یہ عہد کرتے ہیں کہ اپنے وطن کو آزاد کرانے کے لئے ہر قسم کی جانی و مالی قربانی سے دریغ نہیں کریں گے۔ اور آخری فتح تک لڑتے رہیں گے۔"

میر صاحب نے انکشاف کیا کہ آج قومی محاذ آزادی ایک مضبوط تحریک بن چکی ہے۔ ۱۹۶۵ء کی پاک بھارت جنگ کے بعد اس تنظیم نے آزاد کشمیر کے لئے مسلح جدوجہد کے راستے پر عمل شروع کیا اس کے لئے ضروری تھا کہ ٹھوس بنیادوں پر کام کیا جائے۔ ہمارے سامنے ابتدا میں یہ بات تھی کہ کشمیر کو روایتی فوجی ایکشن سے آزاد نہیں کرایا جا سکتا۔ امریکہ اور روس کے گٹھ جوڑ نے مزید رکاوٹوں کی واضح نشاندہی کر دی۔ ان حالات میں ایک مکمل تنظیم کا قیام اشد ضروری تھا۔ پانچ سال کی پیہم کوششوں کی بدولت کشمیر کے حالات بدل چکے ہیں۔ اور آج ہم دنیا بھر کے حریت پسندوں کی تنظیموں کی طرح اپنے پاؤں پر کھڑے ہیں۔ سیاسی شعور رکھنے والے مسلح جدوجہد کے لئے تیار کشمیری بھارتی توسیع پسندوں کے خلاف طویل ترین جنگ لڑنے کی پوری طاقت رکھتے ہیں۔ تنظیم کے دو حصے ہیں سیاسی محاذ کے سربراہ جناب مقبول احمد بٹ اور فوجی محاذ کے قائد میر امان اللہ خان ہیں۔ جموں کشمیر محاذ رائے شماری کے جھنڈے تلے مظلوم کشمیری متحد ہو چکے ہیں میر عبدالمنان نے اس الزام کی بھرپور مذمت کی

JAMMU & KASHMIR NATIONAL LIBERATION FRONT

P.O. Box 317,
Karachi.

6 June 1970

The Heads of
All Pakistani & Kashmiri
Political Parties,

"THE GOVERNMENT OF PAKISTAN WILL NOT TOLERATE ANY PRIVATE EFFORTS TO LIBERATE KASHMIR AND IF YOU CONTINUE THEN SERIOUS ACTION INCLUDING <u>ARRESTING YOU ALL WILL BE TAKEN</u>".

Dear Sirs,

The sentence quoted above forms part of a warning served verbally by the authorities that be of the Pakistan Government through Mr. Arshad Hussain, P.P.M., Superintendent of Police (Special Branch), Karachi on the following seven persons who were called to the Police Headquarters, Karachi on 15-5-1970:-

1. Mr. G. M. Loan
2. Mir Abdul Qayyum
3. Mr. Amanullah Khan and
4. Mir Abdul Mannan

The remaining three persons who were not available at Karachi and therefore were not served with the warning are :-

1. Mr. Maqbool Ahmed Butt
2. Dr. Farooq Haider and
3. Mr. Javed Saghar s/o Mr. A.R. Saghar the vetern Kashmiri leader and one of the founders of the historic Kashmir Movement of 1931

ایک دستاویز جس میں آزادی کشمیر کی سرگرمیوں پہ پابندی پر احتجاج کیا گیا ہے



خواجہ عطاء اللہ چیئرمین دستور کمیٹی جموں و کشمیر محاذِ آزادی



مسٹر عبدالقیوم محاذ کے رابطہ افسر و ہائی کمان کے رکن



مسٹر جی ایم لون، محاذ کی ہائی کمان کے رکن

قومی محاذِ آزادی کے رہنما حکومتِ آزاد کشمیر کے عتاب کا شکار ہیں

کہ اغوا شدہ طیارے کو تباہ کرنے کا مقصد پاکستان میں اقتدار کی منتقلی کے مرحلے میں مشکلات پیدا کرنا ہیں۔ یہ جھوٹ، غلط اور بے بنیاد ہے۔ ہم نے تو پاکستان پر واضح کیا ہے کہ آپ ہمارے دوست ضرور ہیں، لیکن بھارتی توسیع پسندوں سے کشمیر آزاد کرانے کے لئے ہمیں اب کسی کا محتاج نہیں بننا۔ یہ ہمارا مسئلہ ہے۔ ہماری زندگی اور موت کا سوال ہے۔ ہم لڑنے کے لئے تیار ہیں۔ اور بھارتی توسیع پسندوں کے

لامتناہی حملوں کا بھرپور جواب دینے کے لئے مسلح جدوجہد پر آمادہ ہو گئے ہیں۔ یہ جدوجہد کا آغاز ہے بھارت نے کشمیر کو آزاد نہ کیا تو باقاعدہ گوریلا جنگ لڑی جائے گی۔ کشمیری گوریلے بتا دیں گے کہ وہ کس قدر طاقت رکھتے ہیں۔ اور سامراجی ایجنٹوں کا کیا حشر کر سکتے ہیں۔

میر عبدالمنان نے کہا کہ الزام لگانے والوں کے سامنے حقائق نہیں۔ کشمیری حریت پسندوں کی قربانیاں نہیں۔ انہیں چاہیئے کہ وہ آنکھیں کھولیں۔ جدوجہد کا آغاز مقبول احمد بٹ، امان اللہ اور ان کے دوسرے ساتھیوں کی مقبوضہ کشمیر میں گرفتاریوں سے ہوا تھا۔ قومی محاذ آزادی کا پہلا مجاہد اورنگ زیب بھارتی سینا کا مقابلہ کرتے ہوئے شہید ہوا۔ صوبیدار کالا خاں آج بھی عمر قید کی سزا کاٹ رہے ہیں۔ مقبول بٹ کو موت کی سزا سنائی گئی تھی۔ لیکن وہ جیل کی دیواریں توڑ کر فرار ہونے میں کامیاب ہو گئے۔ میجر امان اللہ خاں ان سے پہلے پہنچ چکے تھے۔ پاکستان میں ان دونوں رہنماؤں کو گرفتار کر کے دلائی لے جایا گیا۔ اور بالآخر مارچ کو انہیں رہا کیا گیا۔

آج بھی قومی محاذ آزادی کے رہنما وزارت امور کشمیر کے عتاب کا سامنا کر رہے ہیں۔ وزارت مذکور کی انتہائی کوشش رہی ہے کہ جدوجہد کے راستے سے کشمیری گریز کریں۔ اس کے لئے تخریب کاروں کی خدمات سے فائدہ اٹھایا گیا۔ اور محاذ رائے شماری میں بعض افراد نے حکومت کی لائن کو چلانے کی کوشش کی۔ ان میں میر عبدالعزیز بھی شامل ہے۔ جنہوں نے مد مقابل تنظیم قائم کی ہے۔ لیکن اس تنظیم میں صرف دو افراد شامل ہیں۔ ایک میر عبدالعزیز اور دوسرے

طیارہ کا اغواء محاذِ آزادی کی فوجی کمان کے حکم پر کیا گیا ہے

شریف طارق۔

جب میر صاحب سے حریت پسند ہاشم کے بارے میں دریافت کیا گیا تو انہوں نے ایک دستاویز دکھائی۔ جس میں ہاشم کی قومی محاذ آزادی سے وابستگی کا ثبوت ملتا ہے۔ یہ نوجوان مقبوضہ کشمیر کا رہنے والا ہے اور وہاں فوجی کمان کی ہدایت پر طیارہ اغواء کر کے پاکستان لایا۔ ہاشم کی وابستگی چار سال پرانی ہے۔ اس نے بھی دوسرے حریت پسندوں کی طرح مکمل گوریلا تربیت حاصل کی ہے۔

اس ضمن میں "الفتح" کو جو ثبوت ملے ہیں ان کے بارے میں کچھ تحریر کرنے سے قومی محاذ آزادی کے راز افشا ہونے کا احتمال ہے۔ اور اس سے دشمن اور اس کے ایجنٹوں کو فائدہ پہنچے گا۔ تاہم یہ بات پورے یقین سے کہی جا سکتی ہے کہ کشمیریوں کی مدد کے لئے اب کسی جانب سے بھیک مانگنے کی نوبت نہیں آئے گی۔ وہ سیاسی اور فوجی طور پر ہر لحاظ سے منظم ہیں اور بھارتی توسیع پسندوں کو منہ توڑ جواب دینے کی پوری طاقت رکھتے ہیں۔ وہ ہر قسم کے حملے کو پسپا کر سکتے ہیں اور گوریلا لڑائی میں بین الاقوامی تنظیموں کے ہم پلہ ہیں۔

سیاسی محاذ پر وہ امریکی اور روسی سامراج کے کٹر دشمن ہیں۔ انہیں چین کی غیر مشروط حمایت پر فخر ہے۔ اور پاکستان میں پیپلز پارٹی کو قدر کی نگاہ سے دیکھتے ہیں۔ لیکن وہ کسی پر بھروسہ کرنے کی بجائے اپنے زورِ بازو پر مکمل اعتماد رکھتے ہیں۔



مشرقی پاکستان میں عوامی لیگ کب تک؟

محمود شام

مشرقی پاکستان میں عوامی لیگ جس اکثریت سے کامیاب ہوئی ہے اس سے عوامی لیگ کی بے پناہ مقبولیت کا نہیں بلکہ مشرقی پاکستان میں صحت مند سیاسی عمل کے فقدان کا اظہار ہوتا ہے۔ اتنا فقدان کہ وہاں کوئی دوسری پارٹی سیٹیں ہی حاصل نہ کر سکی۔ یہ تو پارلیمانی تاریخ میں کبھی بھی نہیں ہوا کہ یوں ایک ہی سیاسی پارٹی بلا شرکت غیرے ساری سیٹیں لے جائے۔ اور ایک صوبے کے لوگ ایک ہی سیاسی نظریئے کے حامل ہو جائیں۔ مشرقی پاکستان میں بہت بڑا سیاسی گھپلا ہوا ہے۔ عوامی لیگ کی اس فقید المثال کامیابی کے اسباب پر غور کرنا ضروری ہے کیونکہ جہاں ایسی کامیابی سیاسی زندگی کے لئے خطرناک ہے وہاں خود عوامی لیگ کے لئے بھی بہت خطرناک ہے۔

۲۳ سال سے مشرقی پاکستان کے عوام اگرچہ مغربی پاکستان کے عوام کی طرح ہی مشکلات سے دوچار ہیں اور ان کا استحصال جاری ہے۔ لیکن ایک نمایاں فرق یہ رہا کہ آبادی زیادہ اور مسائل کم ہونے کے سبب یہاں کے عوام کو اقتصادی بدحالی کا زیادہ سامنا رہا۔ جبکہ یہاں کے وسائل پر مغربی پاکستان کے چند سرمایہ دار حاوی ہو گئے۔ مشرقی پاکستان کے ساتھ مغربی پاکستان سے جانے والے بیوروکریٹ نوآبادی کی طرح سلوک کرتے رہے۔ ایوب خاں کے زمانے میں دونوں بازوؤں کا استحصال اپنے عروج پر پہنچ گیا۔ پیرٹی کے نام پر زیادہ آبادی والے حصے کے جائز حقوق غصب کئے گئے۔ سیاسی قیدیوں کو دھڑا دھڑ جیلوں میں ڈالا گیا۔ دونوں بازوؤں کے عوام کو ایک دوسروں کی خبروں سے محروم رکھا گیا۔ اس اندھیرے نے دونوں طرف کے عوام میں فاصلے بڑھا دیئے۔ غربت دونوں طرف تھی۔ لیکن ایک طرف دارالحکومت تھا، ۲۳ خاندان تھے۔ اور بیوروکریٹ تھے۔ اس لئے دوسرے حصے میں یہ تاثر اپنے عروج کو پہنچ گیا کہ مغربی پاکستان ہمارا استحصال کر رہا ہے۔ ایک سیاسی طبقے نے تو اسے اور ہوا دی اور پورے مغربی پاکستان کو اس استحصال کا ذمہ دار ٹھہرایا۔ اور مشرقی پاکستانیوں میں مغربی پاکستان کے خلاف نفرت پھیلائی۔ دوسرے طبقے نے کہا کہ مغربی پاکستان کے عوام ہوں کہ مشرقی پاکستان کے دونوں سرمایہ داروں، جاگیرداروں، اجارہ داروں اور بیوروکریٹوں کے ظلم و تشدد کا شکار ہیں۔ لیکن علاقائیت کی بنیاد پر پہلے سیاسی گروہ کو زیادہ مقبولیت حاصل ہوئی۔ اس گروہ نے اس سیاسی صورت حال سے فائدہ اٹھاتے ہوئے چھ نکات پیش کر دیئے۔ جو واضح طور پر "دو پاکستان" کا تصور پیش کرتے تھے۔ یہ نکات ملاحظہ ہوں:-

۱۔ پاکستان میں حکومت کا طرز وفاقی پارلیمانی ہوگا۔ جس میں وفاقی مجلس قانون ساز اور وفاق بنانے والی ریاستوں کی مجالس قانون ساز کے انتخابات بالغ رائے دہی کی بنیاد پر ہوں گے۔ وفاقی مجلس قانون ساز میں نمائندگی آبادی کی بنیاد پر ہوگی۔

۲۔ وفاقی حکومت صرف دفاع اور محکمۂ خارجہ کی ذمہ دار ہوگی اور مندرجہ ذیل نقطہ (۳) کی صورت میں کرنسی کی ذمہ داری بھی وفاق کو سونپی جاسکتی ہے

۳۔ دونوں صوبوں کے لئے دو علیحدہ علیحدہ کرنسی ہوگی جو آسانی سے ایک دوسری سے تبدیل کی جاسکے یا متبادل صورت میں کرنسی ایک ہی ہو بشرطیکہ ایک ایسا وفاقی ریزرو نظام قائم کیا جائے۔ جس میں علاقائی وفاقی بینک قائم کئے جائیں جو ایسے اقدامات کریں جن کے سبب سے وسائل یا سرمایہ کو ملک کے ایک علاقے سے دوسرے علاقے میں جانے سے روکا جاسکے۔

۴۔ مالیاتی پالیسی اور ٹیکس لگانے کا حق وفاق بنانے والی ریاستوں کو ہوگا۔ ریاستیں جو ٹیکس وصول کریں گی۔ ان سے وفاق چلانے کے اخراجات کے لئے مرکز کو ایک خاص تناسب سے رقم ادا کریں گی تاکہ دفاع اور محکمۂ خارجہ کے اخراجات پورے ہوں۔ اس کے لئے طریق کار اور تناسب کا تعین دستور میں کیا جائے گا۔

۵۔ دستور میں اس کا اہتمام کیا جائے گا کہ وفاق بنانے والی ریاستیں جس قدر زیادہ زرمبادلہ کمائیں اس کے علیحدہ علیحدہ حسابات رکھے جائیں۔ وفاقی حکومت کے زرمبادلہ کی ضروریات ریاستوں کی طرف سے مساوی طور پر یا طے شدہ تناسب سے پوری کی جائیں گی اور اس کے طریقۂ کار اور تناسب کا تعین

دستور میں کیا جائے گا۔ وفاق بنانے والی ریاستوں کی حکومتوں کو یہ اختیار ہو گا کہ وہ وفاقی حکومت کی بنائی ہوئی خارجہ پالیسی کے حدود میں رہتے ہوئے دستور میں دیئے گئے اختیار کے مطابق بیرونی ملکوں سے لین دین امداد اور تجارتی معاہدے کر سکیں۔

۶۔ وفاق بنانے والی ریاستوں کو دستور کی رو سے یہ اختیار دیا جائے گا کہ وہ قومی تحفظ کو موثر بنانے کے لئے ملیشیا فوج بنائیں۔

یہ نکات ۱۹۶۶ء میں سامنے آئے۔ ایوب خاں کا ظلم و تشدد ان دنوں بڑھ رہا تھا اور پھر شیخ مجیب الرحمٰن کو جیل میں ڈال کر اگرتلہ سازش کیس قائم کر کے انہیں اتنا بڑا سیاسی ہیرو بنا دیا گیا کہ اس شخصیت کے واسطے سے اس کا پروگرام بھی مقبولیت پا گیا۔ اور وہ بنگال کا سب سے بڑا ہیرو بن گئے۔ انہیں بنگال کی آواز سمجھا جانے لگا۔ اس وقت دوسری مضبوط جماعت نیشنل عوامی پارٹی بھاشانی گروپ تھی۔ جس کا نعرہ تھا کہ دونوں بازوؤں میں عوام کو لوٹا جا رہا ہے ہمیں دونوں جگہ استحصال کا مقابلہ کرنا ہے۔ لیکن یہ پارٹی مختلف گروہوں میں بٹ گئی اور انتشار کا شکار ہوتی گئی۔ ادھر حکومت اور بیوروکریسی نے بھی اس پارٹی پر تشدد میں اضافہ کر دیا۔ دوسری پارٹیاں کونسل مسلم لیگ، نیپ ولی، جماعت اسلامی استحصالی طبقوں کی نمائندگی کرتی تھیں۔ اس لئے عوام کا اعتماد حاصل نہ کر سکیں۔ ان کا مغربی پاکستان میں بھی یہی حال تھا۔ مغربی پاکستان کی سب سے مضبوط جماعت پاکستان پیپلز پارٹی نے ملک کے اس حصے میں تنظیم کی کوشش نہ کی۔ اپنی کم عمری کے باعث اسے ایک ہی حصے میں زیادہ مضبوطی کی ضرورت تھی۔ اس طرح سیاسی طور پر عوامی لیگ کو ایوب دشمنی اور عوامی آواز کی ترجمانی کے لئے بالکل کھلا میدان مل گیا۔

مشرقی پاکستان کی بیوروکریسی نے بھی عوامی لیگ کی پوری مدد کی۔ کیونکہ چھ نکات کے بعد جائنٹ سیکرٹریوں کو سیکرٹری۔ اسسٹنٹ ڈائریکٹروں کو ڈائریکٹر بننے کے خواب پورے ہوتے دکھائی دے رہے تھے۔ اس لئے انہوں نے عوامی لیگ کو ہر ممکن سہولت بہم پہنچائی۔ ملک کے تمام سرکاری راز سرکاری منصوبے شیخ مجیب الرحمٰن کے سامنے پیش کر دیئے جاتے تھے۔ تاکہ وہ اپنی سٹریٹجی صحیح طور پر بنا سکیں۔ بیوروکریسی نے عوامی لیگ کی راہ میں کوئی رکاوٹ نہ کھڑی کی۔ اس لئے شیخ مجیب الرحمٰن نے کبھی مشرقی پاکستان کی بیوروکریسی کی شکایت نہ کی شکایت کی تو مغربی پاکستان بیوروکریسی اور ملٹری انٹلی جنس کی۔ مغربی پاکستان میں بیوروکریسی نے جس طرح پیپلز پارٹی کے راستے میں طرح طرح کی رکاوٹیں کھڑی کیں، مشرقی پاکستان کی بیوروکریسی نے اس کے مقابلے میں عوامی لیگ کو ہر طرح کی اجازت دی۔ کیونکہ عوامی لیگ کی کامیابی سے ان کے اپنے مفادات وابستہ تھے۔ بیوروکریسی نے ہی اب عوامی لیگ کو مشرقی اور مغربی پاکستان کے تمام اقتصادی اعداد و شمار پیش کر دیئے ہیں۔ اور مستقبل کے لئے اقتصادی منصوبہ بندی کر دی ہے۔

مشرقی پاکستان کا ابھرتا ہوا سرمایہ دار دوسرا بڑا ستون ہے جس نے عوامی لیگ کو مضبوط بنانے میں حصہ لیا۔ چھ نکات کے روبہ عمل آنے سے یہ سرمایہ دار مغربی پاکستان کے بڑے سرمایہ داروں کی گرفت سے آزاد ہو جائے گا۔ اور خود مشرقی پاکستان کے ۲۲ خاندان تشکیل کرے گا۔ کیونکہ براہ راست تجارت اور بیرونی ملکوں سے براہ راست قرضوں کی سہولت حاصل ہو جائے گی۔ عوامی لیگ کے ارکان اسمبلی میں ایسے سرمایہ داروں کی خاصی اکثریت ہے جو اب آدم جی اور داؤد بننے کی فکر میں ہیں اور انتقال اقتدار کا بے صبری سے انتظار کر رہے ہیں۔

مجیب الرحمٰن مشرقی بنگال کی انقلابی تحریکوں سے خوفزدہ ہیں

اب رہے بے چارے عوام۔ ایک تو دوسری کوئی سیاسی پارٹی مقابلے میں نہیں رہی تھی۔ نیپ بھاشانی انتخابات سے کافی پہلے دم توڑ گئی تھی۔ عوام کے سامنے اب یہی امکان تھا کہ قومیت کا نعرہ لگانے والی اس پارٹی کو موقع دیا جائے۔ تاکہ وہ بنگالی کے عوام کے دکھ دور کر سکے۔ اعداد و شمار کچھ اس طرح بنتے ہیں کہ پانچ کروڑ کی آبادی میں سے جتنے لوگوں کو ووٹ کا حق ہے اس میں سے ۵۷ فیصد نے ووٹ کا حق استعمال کیا۔ اس میں سے الیکشن کمیشن کے مطابق ۷ فیصد بوگس ووٹنگ ہوئی۔ باقی ۵۰ فیصد میں سے ۵۷ فیصد ووٹ عوامی لیگ کو ملے۔ اس طرح کل ووٹروں کا ۲۷½ فی صد عوامی لیگ کو ملا۔ اس طرح مشرقی پاکستان کی کل آبادی کا تناسب تو اور بھی کم بنتا ہے۔ اس کا ثبوت اس بات سے بھی ملتا ہے کہ اب الیکشن کے بعد شیخ مجیب الرحمٰن باہر نکلے ہیں تو عوام کے والہانہ استقبال کا وہ عالم نہیں ہوتا جو مغربی پاکستان کے مختلف صوبوں میں ذوالفقار علی بھٹو کا ہے۔ جب انٹر کانٹی نینٹل میں شام کے پانچ بجے شیخ مجیب الرحمٰن نے بھٹو سے ملاقات کے لئے آنا تھا۔ اس پروگرام کی شہر میں اطلاع ہونے کے باوجود کانٹی نینٹل پر کوئی ہجوم نظر نہ آیا۔ حالانکہ اس کے برعکس لاہور، پنڈی یا کراچی کے انٹر کانٹی نینٹل میں ٹھہرے ہوتے اور بھٹو نے انہیں ملنا ہوتا تو کانٹی نینٹل عوام میں گھر جاتا۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ بھٹو نے پائیدار، ہمہ گیر اور عالمگیر نعروں کی بنیاد پر لوگوں کے دلوں میں گھر کیا ہے جبکہ ادھر یہ محسوس ہوتا ہے کہ عوام مشروط طور پر مجیب الرحمٰن کو ووٹ دے کر اپنے اپنے دھندوں میں مصروف ہو گئے ہیں۔ اور خاموشی سے الگ ہٹ کر انتظار کر رہے ہیں کہ دیکھیں اب شیخ صاحب ہمارے لئے کیا کرتے ہیں۔ یوں محسوس ہوتا ہے کہ مشرقی پاکستان کے عوام کا عوامی لیگ پر اعتماد کوئی مینڈیٹ نہیں بلکہ ایک "ٹائم بم" ہے۔ جو وقت آنے پر پھٹ جائے گا۔ اسی لئے اس وقت سے خوفزدہ ہو کر شیخ مجیب الرحمٰن

باقی صفحہ ۲۱ پر





آزادیٔ کشمیر کا فیصلہ کن مرحلہ شروع ہوگیا ہے

افضل صدیقی

بھارتی طیارہ کی تباہی پر مجیب اور اندرا کا ردِ عمل یکساں ہے

دھماکہ ہوا اور ایک دنیا چونک اُٹھی۔ دنیا میں اتنا شور و غل، اتنے ہنگامے اور چیخ و پکار ہے کہ جب تک کوئی بڑا دھماکہ نہ ہو، کسی بڑے نام نہاد امن پسند کے کان کھڑے نہیں ہوتے۔

چنانچہ لاہور کے ہوائی اڈہ پر برِ صغیر کی تاریخ میں اپنی نوعیت کا پہلا دھماکہ ہوا اور پوری دنیا کو یاد آگیا کہ کشمیر کا مسئلہ زندہ ہے۔ بھارت کے ہندو حکمرانوں کی تمام کوششوں کے باوجود دفن نہیں ہوا۔ بلکہ اقوام متحدہ کے ایوانوں میں سانس لے رہا ہے۔ کشمیری حریت پسندوں کے سینوں میں دھڑک رہا ہے۔ اور چالیس لاکھ مظلوم انسانوں کی وادی میں گونج رہا ہے۔ اس مسئلہ کو، اس جذبے کو، اس آواز کو بھارت سے کشمیر کا بالجبر الحاق نہیں دبا سکا۔ نہتے اور بے گناہ کشمیریوں کا قتل عام، حق اور انصاف کے طلب گاروں کی گرفتاریاں۔ جیلوں میں حق خود ارادیت کا مطالبہ کرنے پر مظالم، شیخ عبداللہ اور مرزا افضل بیگ کی جلا وطنی، رائے شماری محاذ پہ پابندی، اِن میں سے کوئی ظلم بھی جذبۂ حریت کا گلا نہیں گھونٹ سکا۔

آزادی بھیک میں نہیں ملتی چھینی جاتی ہے۔ ظلم جب حد سے گذر جائے تو سمجھو اس کا خاتمہ قریب ہے۔ مگر آزادی کے لئے اور ظلم کے خاتمہ کے لئے جد و جہد کرنا پڑتی ہے۔ طویل جد و جہد، مظلوم کشمیری عوام کی ۲۳ سالہ جد و جہدِ آزادی آخری مرحلہ میں ہے۔ لاہور ایر پورٹ پر دو نوجوان کشمیری حریت پسندوں ہاشم اور اشرف کے ہاتھوں بھارتی طیارہ "گنگا" کی تباہی سے اس آخری مرحلہ کا آغاز ہوگیا ہے۔

کشمیر کے مسئلہ کا حل اب اقوامِ متحدہ کے سامراجی بقراطوں کا مرہونِ منت نہیں رہا۔

کشمیریوں کی تحریکِ آزادی کا آخری اور فیصلہ کن دَور شروع ہوچکا ہے۔ "گنگا" کی تباہی کی ذمہ دار پاکستان کی حکومت نہیں ہے۔ حکومت پاکستان نے اشرف اور ہاشم کو سیاسی پناہ دیکر اپنی اخلاقی ذمہ داری پوری کی ہے۔ بھارتی طیارہ تباہ نہیں کیا بلکہ اُس نے تو طیارہ کے تمام مسافروں کو بحفاظت بھارت واپس بھیج کر روایتی مہمان نوازی کا حق ادا کر دیا۔

مگر بھارت کی راجدھانی میں نہرو جواہر لال کی بیٹی کا راج سنگھاسن ڈول رہا ہے۔ اس نے انتخابی مرحلہ پہ وزارت عظمیٰ کی طرح موروثی چالاکی اور عیاری سے کام لے کر کانگرس اور اپنے خلاف عوامی نفرت اور حقارت کا رُخ پاکستان کی طرف موڑ دیا ہے۔ اور اپنے طیارہ کی تباہی کی تمام ذمہ داری حکومت پاکستان پر ڈال دی ہے "گنگا" تباہ ہوا تو اندرا حکومت نے پاکستان سے معاوضے اور ہرجانے کا مطالبہ کر دیا۔ اور اس مطالبے کو بارہ گھنٹے بھی نہ گزرے تھے کہ حکومت پاکستان کی طرف سے جواب کا انتظار کئے بغیر اس نے اپنے علاقے پر ہر قسم کے پاکستانی طیاروں کی پرواز روک کر بین الاقوامی قانون، اخلاقی ضابطہ اور نام نہاد اعلان تاشقند کی دھجیاں اڑا دیں۔ نئی دہلی میں پاکستانی ہائی کمیشن کو تباہ کرنے کے لئے جن سنگھی غنڈوں کو کھلی چھٹی دے دی اور اندرا رانی معرکۂ ستمبر کا سبق بھول کر پاکستان کو جنگ کی گیدڑ بھبکیاں دینے لگیں۔

اگر اندرا کو یقین ہے کہ وہ اپنے ملک میں پاکستان سے جنگ کا جنون پیدا کر کے ہندو فرقہ پرستوں کے ووٹوں سے اپنے ڈولتے ہوئے راج سنگھاسن کو بچا لے گی تو یہ اس کی بھول ہے۔ اندرا نے سوچا ہے کہ جنگ کے حالات پیدا کرنے سے پاکستان میں مضبوط عوامی حکومت کا قیام رُک جائے گا تو اُسے یقین کر لینا چاہیے کہ اس کا یہ خواب مودودی کا خواب ثابت ہوگا۔

مشرقی اور مغربی پاکستان کے درمیان بھارت

بھارت اور امریکی سامراج پاکستان کے تاریخی عمل کو روک نہیں سکتے

کے راستے پاکستانی طیاروں کی پروازیں معطل کر دینے سے زیادہ سے زیادہ یہی ہوگا کہ قومی اسمبلی کا اجلاس اس مہینے نہ ہو سکے گا، مگر مارچ کے پہلے ہفتہ میں تو ضرور ہوگا۔ پاکستان میں تاریخی سیاسی عمل رک نہیں سکے گا۔ بھارتی اور امریکی سامراج اس میں رکاوٹیں ڈالنے کی کتنی ہی کوششیں کیوں نہ کر لے۔ "گنگا" کی تباہی پر بھارت میں صفِ ماتم بچھ جاتے تو حیرت اور افسوس کی بات نہیں۔ لیکن اندرا گاندھی، شیخ مجیب اور سردار عبدالقیوم کے ایک یکساں اندازِ فکر پہ حیرت اور افسوس ضرور ہوتا ہے بلکہ شیخ مجیب کو تو بھارتی طیارہ کی تباہی پر اندرا سے کچھ زیادہ ہی دُکھ پہنچا ہے۔ انہوں نے حکومت پاکستان سے طیارہ کی تباہی کی تحقیقات کا مطالبہ کرتے ہوئے کہا ہے کہ حکام کو اس طیارہ کو تباہی سے بچانے کے لئے معقول انتظامات کرنے چاہئیں تھے۔ یہی خیال اندرا گاندھی کا بھی ہے۔ حیرت ہے کہ کچھ دنوں پہلے شیخ مجیب کشمیریوں کی جدوجہد آزادی کی مکمل حمایت کر چکے تھے اور اب انھوں نے اس کا خیال کئے بغیر کہ معاملہ کی نوعیت کیا ہے اور اپنے پچھلے موقف کو بھول کر حکومت کے اقدام کی مذمت کر دی۔ در حقیقت مسئلہ کشمیر کی سنگینی کا احساس جتنا مغربی پاکستان کے لوگوں کو ہے۔ اتنا مشرقی پاکستانیوں کو نہیں۔ مغربی پاکستانیوں کو کشمیر سے سیاسی اور جذباتی لگاؤ زیادہ ہونا بھی چاہیے کہ کشمیر ان کے زیادہ قریب ہے اور وہ بہت قریب سے کشمیر میں آزادی کے شعلے بھڑکتے دیکھ رہے ہیں۔ شیخ مجیب الرحمٰن کو اپنی سیاسی مصلحتوں سے قطع نظر کر کے اس مسئلہ کے نازک پہلوؤں کو سامنے رکھنا چاہیئے تھا۔ انہوں نے اپنی سیاسی فتح کے گھمنڈ میں مغربی پاکستان اور کشمیر کے لوگوں کے جذبات اور پاکستان کے لئے زندگی اور موت کے مسئلے، کشمیر سے ان کے نازک رشتوں کو بالکل ہی فراموش کر دیا۔

پنجاب کونسل مسلم لیگ کے صدر سردار شوکت حیات نے ڈھاکہ میں شیخ مجیب سے ملاقات کے بعد کہا کہ پاکستان طیاروں کے اغوا اور جنگی جنون کا متحمل نہیں ہو سکتا۔ نیپ کے سربراہ خان عبدالولی خان نے بھارتی طیارہ کی تباہی پر اپنے ردِ عمل کے اظہار سے گریز کیا ہے اور کہا ہے کہ یہ ایک نازک مسئلہ ہے اس سے حکومت ہی کو نپٹنا چاہیئے۔ ہم لیڈروں کا کام طیاروں کے اغواء سے لیکر آئین تک ہر مسئلہ پر اظہار خیال نہیں کرنا چاہیئے۔ اس سے یہ نتیجہ نکالا جا سکتا ہے کہ مغربی پاکستان میں پیپلز پارٹی کو الگ رکھ کر عوامی لیگ کا نیپ (ولی گروپ) اور کونسل مسلم لیگ سے تعاون طلب کرنے کا امکان اب محض قیاس آرائی نہیں رہا۔ شیخ مجیب، سردار شوکت اور ولی خان کے اِن خیالات کے برخلاف پیپلز پارٹی کے سربراہ جناب بھٹو نے بھارتی طیارہ کی تباہی پر اظہارِ مسرت کرتے ہوئے کہا ہے کہ اس

> **عوامی لیگ، نیپ اور کونسل لیگ کا تعاون اب محض قیاس آرائی نہیں رہا**

واقعہ کی ذمہ داری پاکستانیوں پر اور حکومت پاکستان پہ عائد نہیں ہوتی۔ یہ دلیرانہ اقدام کشمیریوں کی جدوجہد آزادی کا ایک حصّہ ہے۔ مسٹر بھٹو نے اپنی پارٹی کے ارکان کو ہدایت کر دی ہے کہ وہ بھارتی طیارہ تباہ کرنے والے دونوں کشمیری حریت پسندوں کو ہر ممکن امداد فراہم کریں۔ انہوں نے یہ بھی کہا کہ پیپلز پارٹی کشمیریوں کی جدوجہد میں ہر ممکن مدد دیتی رہے گی۔ کشمیر کے سوال پر پیپلز پارٹی کے موقف سے تو عوام پہلے سے آگاہ تھے۔ مگر شیخ مجیب الرحمان کا اپنے موقف سے انحراف مغربی پاکستانیوں کے لیے حیرت کا باعث اس لئے ہوا کہ پہلے اُن کی بڑی ڈھارس بندھی تھی کہ اس مسئلہ پر مشرقی پاکستان کے ایک بڑے رہنما اور مغربی پاکستان کے رہنماؤں کے جذبات یکساں ہیں مگر اب وہ یہ سوچنے پر مجبور ہوتے ہیں کہ بھارتی طیارہ کی تباہی پر افسوس کا اظہار اور مغربی پاکستان کے حکام کے اقدام کی مذمت کر کے مجیب صاحب نے اندرا گاندھی کی پیٹھ ٹھونکی ہے۔ یہی رویّہ اختیار کر کے آزاد کشمیر کے صدر سردار قیوم نے بھی مغربی پاکستان کے عوام کا دل دکھایا ہے انھوں نے بھارتی طیارہ کی تباہی کی مذمت کرتے ہوئے کہا ہے کہ کشمیری عوام کو کوئی ایسا شدید اقدام نہیں کرنا چاہیے جس کے نتائج کا وہ مقابلہ نہ کر سکیں لیکن انھوں نے بڑا کرم کیا جو ساتھ ہی یہ بھی کہہ دیا کہ کوئی کارروائی عوام کے نمائندوں کو اقتدار کی پرامن منتقلی کی راہ میں حائل نہیں ہو سکتی۔ تاوقتیکہ حالات بد تر نہ ہو جائیں جس کے امکان کو مسترد نہیں کیا جا سکتا۔ سردار قیوم اپنی المجاہد تحریک کے کچھوے ہی کو سینکائے جا رہے ہیں۔ کشمیری حریت پسند کہیں سے کہیں پہنچ گئے۔ کوئی غیر ملکی طیارہ اغوا کر کے قاہرہ پہنچا دیا جائے یا عمان میں اتار دیا جائے تو حکومت مصر اور حکومت اردن کو ذمہ دار قرار نہیں دیا جا سکتا۔ اریٹیریا کے مجاہدین کراچی ایرپورٹ پر ایتھوپیا کے طیارہ میں دھماکہ کر دیں تو حکومت پاکستان معتوب قرار نہیں پاتی۔ لیکن اگر کشمیری حریت پسند اپنی جانوں پر کھیل کر بھارتی طیارہ کو لاہور ایئر پورٹ پر اتار کر تباہ کر دیں تو حکومت پاکستان قابل مذمت ٹھہرائی جاتی ہے۔ چہ خوب! اندرا اور بھارتی حکمران مذمت کریں تو بات کچھ سمجھ میں آتی ہے لیکن جب اپنے ہی رہنما یہ الزام لگانے لگیں تو ماتم کرنے کو جی چاہتا ہے۔

انتخابات کے بعد ڈیڑھ ماہ کے مختصر عرصے میں پاکستان میں جو حالات پیدا ہو گئے ہیں۔ بڑھتی ہوئی مہنگائی، ٹیکسوں کے نفاذ، زبان پالیسی اور مسئلہ پہ ہنگامے، مظاہرے، خونریزی اور لوٹ مار کے ذریعہ جس بے بسی اور مایوسی میں پاکستانی عوام کو مبتلا کر دیا گیا ہے وہی کیا کم تھا کہ اب بھارتی طیارہ کی تباہی پر سیاسی اختلافات کو ہوا دے کر حالات کو اور پیچیدہ بنایا جا رہا ہے۔ شیخ مجیب الرحمٰن پوری قوم کے نمائندہ قائد ہیں۔ انھیں ہر حال میں قوم کے جذبات اور احساسات کا خیال رکھنا ہوگا۔ تبھی وہ اقتدار کی مسند پر بیٹھے ہوئے اچھے بھی لگیں گے۔

اشتیاق حسین قریشی! استعفیٰ دو، جامعہ کے اساتذہ کا مطالبہ

جمعیت کو
انتخابات جتانے کے لئے وی سی کی سازشیں

اشرف شاد

کراچی یونیورسٹی کے اساتذہ نے شیخ الجامعہ ڈاکٹر اشتیاق حسین قریشی سے مستعفی ہونے کا مطالبہ کیا ہے اور اس طرح اساتذہ نے بھی وائس چانسلر کی جانب داری سے تنگ آئے ہوئے طلبہ کی ایک طویل تحریک کے حق پسند ہونے پر مہر تصدیق ثبت کر دی ہے۔ یونیورسٹی کے اساتذہ کی ۸۵ فیصد سے زیادہ اکثریت نے اس قرارداد کو منظور کرتے ہوئے وائس چانسلر پر الزام لگایا ہے کہ وہ اساتذہ کے مطالبات کے سلسلے میں ہونے والے معاہدے پر عمل درآمد کرانے میں ناکام رہے ہیں۔ اور اس طرح یونیورسٹی کے اساتذہ کو ان پر کوئی اعتماد باقی نہیں رہا ہے لہٰذا انہیں فوری طور پر اپنے عہدے سے مستعفی ہو جانا چاہیئے۔

یہ قرارداد ۴ جنوری کو انجمن اساتذہ کراچی یونیورسٹی کے اجلاس میں ڈاکٹر افضال قادری نے پیش کی۔ فوری طور پر اس کی مخالفت جامعہ کے ڈی آئی جی میجر آفتاب حسن اور وائس چانسلر کے پی آر او شریف المجاہد نے کی۔ لیکن اساتذہ کی اکثریت کے سامنے ان کی آواز کوئی جادو نہ جگا سکی، اور یہ قرارداد ۱۳۴ ووٹوں کی اکثریت سے منظور ہو گئی۔ اس کی مخالفت میں صرف ۱۴ ووٹ آئے جب کہ ڈاکٹر معصوم ترمذی نے اپنا ووٹ استعمال نہیں کیا۔

اس اعتبار سے حالیہ انتخابات میں جماعت اسلامی کے ووٹوں کا جو تناسب رہا ہے، ڈاکٹر صاحب کے حلقے میں اس تناسب سے کچھ زیادہ ووٹ آئے لیکن ان حامی ووٹوں کی ایک بڑی وجہ امریکہ اور دوسرے غیر ممالک کے وہ اسکالرشپ بھی تھے، جو وائس چانسلر صاحب کی نظرِ کرم کے محتاج ہوا کرتے ہیں۔ میجر آفتاب حسن کے بارے میں کون نہیں جانتا۔ انھوں نے جامعہ کے داروغہ کی حیثیت سے جو کارنامے انجام دیئے ہیں اس پر اچھرہ تک سے ان کے لئے داد و تحسین کے ڈونگرے برسے ہیں۔ پرانے وقتوں کے آدمی ہیں نمکخواری ان کے خمیر میں رچی بسی ہے، سو انھوں نے اس کے تقاضے پورے کئے۔

شعبۂ صحافت کے سربراہ شریف المجاہد صاحب بھی ڈاکٹر صاحب کی عنایتوں سے بہرہ ور رہے ہیں ڈاکٹریٹ کرنے امریکہ گئے تھے، جہاں تین سال کی مشقت کے بعد صرف تھیسس کا موضوع لے کر لوٹے۔ ویسے ان کے ساتھی اسے بھی غنیمت جان رہے ہیں۔ ورنہ تو لوگ اسکالرشپ کے نام پر سہ سالہ، پانچ سالہ پکنک منانے جاتے ہیں۔ اور امریکی ساخت کے ریڈیو، ٹی وی یا زیادہ سے زیادہ ایک عدد امریکی بیوی لے کر لوٹتے ہیں۔ مجاہد صاحب تو تھیسس کا موضوع ساتھ لے کر آئے ہیں۔ سنا ہے اب کراچی میں بیٹھ کر امریکہ سے بہ ہزار دقت اپنے ساتھ لائے ہوئے اس موضوع پر تھیسس تیار کریں گے۔ ع

اللہ کرے زورِ قلم اور زیادہ

جماعت سے اُن کی بھی پرانی یاد اللہ ہے۔ اسی لئے رفتہ رفتہ اب اُن کا شعبہ اسلام پسندوں کا مکمل گڑھ بن چکا ہے۔ دو سال قبل مختار زمن جو یہاں لیکچرار کے فرائض بھی انجام دیتے تھے۔ بی بی سی میں شمولیت اختیار کر کے برطانیہ چلے گئے تو اُن کی جگہ انگریزی رپورٹنگ کی تدریس کے لئے ایک جونیئر صحافی جنھیں احفاظ الرحمٰن نے "ایک سب ایڈیٹر نکرئے" کا خطاب دیا تھا، مقرر کئے گئے۔ حالانکہ ان کا انگریزی صحافت سے کوئی دور کا بھی تعلق نہیں تھا۔ آجکل بھی جماعتِ اسلامی کے ترجمان روزنامہ جسارت کے ایک اسسٹنٹ ایڈیٹر کو پارٹ ٹائم لیکچرر رکھا گیا ہے۔ ان کے سپرد انگریزی فیچر رائٹنگ وغیرہ کی تدریس کا کام ہے جب کہ ان کی صحافت کا تمام تر تجربہ صرف اردو اخبارات تک محدود رہا ہے۔

وی سی صاحب کے دوسرے بڑے حامیوں میں ڈاکٹر یحییٰ اور ڈاکٹر عزیز شامل ہیں۔ اُن کے بارے میں پہلے بھی بہت کچھ لکھا جا چکا ہے۔ ڈاکٹر عزیز صاحب شعبۂ سیاسیات کے سربراہ ہیں اور اس سال انہوں نے اپنے شعبے میں داخلہ دیتے وقت جو انٹرویو لئے تھے، اس میں وہ طلبہ سے سب سے پہلے سوال یہی کرتے تھے کہ وہ کس سیاسی جماعت کو پسند کرتے ہیں۔ ڈاکٹر یحییٰ صاحب تو اپنے عاشقانہ مزاج کی وجہ سے پہلے ہی بڑے شہرہ آفاق ہیں لہٰذا اُن کے بارے میں یہاں لکھنا یا نہ لکھنا برابر ہے۔

وی سی اور ان کا ٹولہ جامعہ کے اساتذہ کے ہاتھوں سخت پریشان ہے تو دوسری طرف طلبہ نے بھی اُن کی وہ بساط الٹ رکھی ہے جس پر وہ مہروں کا ہیر پھیر کر کے پوری یونین اپنی اور جماعت اسلامی کی جیب میں رکھے رہا کرتے تھے۔ اس سال جامعہ کراچی کی یونین کے انتخابات میں وی سی اور ان کی گود لی ہوئی "اسلامی جمعیت طلبہ" کے خلاف طلبہ نے جس جوش و خروش کے ساتھ ایک متحدہ محاذ تیار کیا ہے۔ اُس نے اِن ساری سازشوں کو تہہ و بالا کر دیا ہے۔ جس کے داؤ پیچ میں ہر ڈبے سے صرف اسلامی جمعیت طلبا کے ووٹ ہی نکلا کرتے تھے

اور اس سال اگر ہیر پھیر کر کے اسلامی جمعیت طلبہ کو جتانے کی کوشش کی گئی تو پچھلے سال کی

شیخ الجامعہ پنجاب
پر حملہ کرنے والوں
میں جمعیت کا
اُمیدوار بھی شامل تھا

دھاندلیوں کے خلاف احتجاج کرنے والے بھوک ہڑتالیوں کے بستروں کو قید خانے میں پہنچانے والے وی سی صاحب اس دفعہ اپنا بستر گول ہونے سے نہ بچا سکیں گے۔

یونیورسٹی بند ہونے سے قبل تک کی جو صورتحال تھی اس کے مطابق صدر اور جنرل سیکرٹری کے لئے این۔ ایس۔ ایف کے امیدواروں اشفاق حسین توفیق اور نجم الدین کے مقابلے میں تمام امیدواروں کی انتخابی مہم بُری طرح پٹ چکی ہے۔ اب تک اپنی اپنی قوت کے اظہار کے لئے تقریباً تمام امیدوار اپنے انتخابی جلوس نکال چکے ہیں۔ لوگوں کا خیال ہے کہ این ایس ایف نے اپنے امیدواروں کی حمایت حاصل کرنے کے لئے جو جلوس نکالا تھا وہ حسین نقی کے زمانے کے بعد یونیورسٹی کی تاریخ کا سب سے بڑا جلوس تھا۔ اسلامی جمعیت طلبہ کے جلوس میں مختلف کالجوں کے طلبہ کو بلوانے کے بعد بھی کوئی جان نہیں پڑ سکی تھی۔ جامعہ کے عام طلبہ کا خیال ہے کہ دونوں امیدواروں کے جلوس کے تقابل نے انتخابات کا فیصلہ کر دیا ہے۔

اسلامی جمعیت طلبہ نے اس سال اپنے جس امیدوار کو نامزد کیا ہے وہ لاہور سے بی اے کر کے آئے ہیں۔ گذشتہ سال جامعہ پنجاب کے وائس چانسلر علامہ علاؤ الدین صدیقی کے مکان پر حافظ ادریس کی قیادت میں اسلامی جمعیتِ طلبہ کے جن غنڈوں نے حملہ کیا تھا اور توڑ پھوڑ کی تھی ان میں جمعیت کے مسمی صورت والے یہ امیدوار جناب زاہد حسین بھی شامل تھے۔ وہ اس موقع پر گرفتار بھی ہوئے تھے۔ لیکن بعد میں معافی مانگنے پر چھوڑ دیے گئے تھے۔

این ایس ایف کے امیدواروں کی حمایت میں دوسری کئی جماعتیں بھی جمع ہو چکی ہیں۔ بلوچ اسٹوڈنٹس آرگنائزیشن اور پختون اسٹوڈنٹس فیڈریشن کے ساتھ مل کر این ایس ایف نے ایک مجلسِ عمل تشکیل دی ہے جس میں افتخار احمد چودھری، کاظم حسن، فہیم الزماں، ارشد چودھری، امان اللہ مینگل، عبدالاحد بلوچ، میاں بادشاہ گل اور سید حضرت علی شامل ہیں۔ انتخابات میں وی سی صاحب اور ان کی ٹیم کی دخل اندازی کا سلسلہ بھی جاری ہے۔ طلبہ کا خیال ہے کہ جامعہ کراچی اچانک بند کر کے انتخابات ملتوی کرنے کا فیصلہ اسی سازش کی ایک کڑی ہے۔ این ایس ایف کے امیدواروں کی مستحکم پوزیشن دیکھ کر وی سی صاحب اپنے مہرے از سرِ نو ترتیب دے رہے ہیں۔ اور انتخابات کا یہ التوا اپنی بساط کی نئے سرے سے تیاری کے لئے عمل میں آیا ہے لیکن طلبہ کا عزم ہے کہ وہ ایسے ہر التوا کا مقابلہ کریں گے۔ اور التواء کی اس مدت کو جمعیت کے حامیوں کی بچی کچی تعداد مزید کم کرنے کے علاوہ اور کسی مصرف میں نہیں آنے دیں گے

۴ فروری کو طلبہ کی مجلس عمل کے زیر اہتمام ایک پریس کانفرنس بھی منعقد کی گئی تھی۔ جس سے این ایس ایف کے چودھری افتخار، بی ایس او کے امان اللہ مینگل اور بی ایس ایف کے میاں بادشاہ نے خطاب کیا۔ اس پریس کانفرنس میں مطالبہ کیا گیا ہے کہ وی سی کی جانبداری کے پیش نظر جامعہ کے انتخابات ہائی کورٹ کے ایک جج کی نگرانی میں کرائے جائیں۔ پریس کانفرنس میں یونیورسٹی کے اساتذہ کے مطالبات کی حمایت کرتے ہوئے وی سی سے مستعفی ہونے کا مطالبہ کیا گیا۔ طالبعلم راہنماؤں نے یہ بھی اعلان کیا کہ این ایس ایف کے صدر ڈاکٹر رشید حسن خاں کو فوری طور پر رہا نہ کیا گیا تو طلبہ مغربی پاکستان کے تمام صوبوں میں ایک زبردست تحریک شروع کر دیں گے۔

مغربی پاکستان کے کالجوں میں این ایس ایف کی زبردست کامیابی

جماعتِ مودودی کے بغل بچوں نے ایک غلغلہ مچا رکھا ہے کہ اسمبلیوں کے انتخابات میں ہار گئے تو کیا ہوا۔ یونیورسٹیوں، اور کالجوں کے الیکشن میں اسلامی جمعیت طلباء دھڑا دھڑ نشستیں حاصل کر رہی ہے۔ جماعت کے نقارچی مقبوضہ اخبارات بھی اپنا بھونپو لئے اس دعوے کے جھوٹے سُر تال بکھیر رہے ہیں۔ مغربی پاکستان کے تمام صوبوں میں ابھی تک کئی اداروں میں انتخابات نہیں ہوئے ہیں لیکن جہاں جہاں انتخابات ہو چکے ہیں اُن کے نامکمل نتائج کے مطابق اب تک نیشنل اسٹوڈنٹس فیڈریشن ۸۰ نشستیں حاصل کر چکی ہے۔ ان میں سے ساٹھ نشستیں صدر اور جنرل سیکرٹری کی اور ۱۶ جوائنٹ سیکرٹری کی ہیں۔ اس کے علاوہ ڈیرہ غازیخان، بہاولپور، جوہر آباد، راولپنڈی، اسلام آباد، خوشاب، ملتان، دیر، پشاور، لاہور کے کئی دوسرے کالجوں سے جہاں این ایس ایف کامیابی حاصل کر چکی ہے، تفصیلی نتائج ہم تک نہیں پہنچے ہیں۔ اسلامی جمعیت طلباء کے غلط پراپیگنڈے کا پول کھولنے کے لئے ہم ذیل میں این ایس ایف کے اُن ۸۰ کامیاب امیدواروں کی فہرست شائع کر رہے ہیں جن کے بارے میں تفصیلات ہم تک پہنچ چکی ہیں۔

۱۔ سید شوکت حسین شیرازی (نائب صدر) امامیہ ڈگری کالج ساہیوال
۲۔ عبدالرشید (جنرل سیکرٹری) " " " " "
۳۔ سید فضلِ ربّ (صدر) (حمایت یافتہ) ایم اے او کالج لاہور
۴۔ حافظ فیاض احمد (نائب صدر) امرتسر کالج ریلوے روڈ لاہور
۵۔ عبداللہ بٹ (جنرل سیکرٹری) " " "
۶۔ جیب احمد بنگش (صدر) اسلامیہ کالج ریلوے روڈ۔ لاہور
۷۔ منصوب خاں (صدر) گورنمنٹ کالج نوشہرہ
۸۔ مثل خاں راہی (نائب صدر) " " "
۹۔ جاوید درانی (جنرل سیکرٹری) " " "
۱۰۔ ناصر خاں (صدر) گورنمنٹ کالج مردان
۱۱۔ نواب گل سکندر (جنرل سیکرٹری) " " " "
۱۲۔ محمد طارق ندیم " گورنمنٹ کالج ساہیوال
۱۳۔ خالد چودھری (صدر) ایجوکیشنل کالج چیچاوطنی

باقی صفحہ ۴۰ پر

سومار خود کو پریس ٹرسٹ کا قائدِ اعظم تصوّر کرتے تھے

شوکت صدیقی

جب اے کے سومار چیئرمین مقرر ہوئے تو نیشنل پریس ٹرسٹ کی حالت یہ تھی کہ نئے انتظامات کے تحت اس کا صدر دفتر راولپنڈی جا چکا تھا۔ جمیل الدین عالی کو سیکرٹری کے اختیارات مل چکے تھے وہ "پاکستان ٹائمز" کے کراچی دفتر میں بیٹھتے تھے۔ ایک کمرہ میں ان کا دفتر تھا اور اس سے ملحقہ کمرہ چیئرمین کے لئے تھا۔ مگر چیئرمین نے اسے کبھی رونق نہ بخشی۔ وہ جوبلی انشورنس ہاؤس کے ایک کمرے میں بیٹھ کر فینیسی انڈسٹریز کا کام بھی کرتے تھے۔ اور ٹرسٹ بھی چلاتے تھے۔ ٹرسٹ کا تمام کام عموماً ٹیلی فون پر ہوتا تھا۔

صدر دفتر کا اب کوئی مصرف نہ رہ گیا تھا۔ وہاں خاک اڑتی تھی۔ کرنل مجید ملک پی پی ایل میں واپس جا چکے تھے اور لاہور میں مقیم تھے۔ صدر دفتر کا کوئی والی وارث نہ رہ گیا تھا۔ تمام عملہ دن بھر بیٹھا مکھیاں مارتا رہتا۔ البتہ جب سومار قومی اسمبلی کے اجلاس میں شرکت کے لئے پنڈی پہنچتے تو صدر دفتر میں کسی قدر چہل پہل نظر آتی۔ وہ خود تو وہاں کبھی نہ گئے اور نہ عملے کو عملی طور پر ٹرسٹ کے کام سے کبھی واسطہ پڑا۔ اس کا کام صرف اس قدر رہ گیا تھا کہ چیئرمین کے لئے ہوٹل کے کمرے کا بندوبست کرے۔ ہوائی اڈے پر جلوس بنا کر ان کا خیر مقدم کرے۔ اور صبح سلام کرنے کے لئے چیئرمین کے حضور پیش ہو۔

اس کے علاوہ صدر دفتر کے ملازمین کے فرائض میں یہ بھی داخل تھا کہ چیئرمین صاحب اسمبلی میں جو تقریر فرمائیں، اسے ٹائپ کیا جائے اور اخبارات کے دفتر نہ صرف پہنچایا جائے بلکہ نمایاں طور پر شائع کرایا جائے۔ اگر چیئرمین کی تقریر کسی اخبار میں، خصوصیت کے ساتھ ٹرسٹ کے اخبارات میں ان کی مرضی کے مطابق نہ چھپتی تو جواب طلبی ہوتی۔ ڈانٹ پھٹکار پڑتی۔ مگر یہ ہنگامے چند روزہ ہوتے۔ چیئرمین کراچی چلے جاتے تو صدر دفتر کا عملہ چین کی بنسی بجاتا۔

سومار ٹرسٹ کا کام کریں یا نہ کریں۔ کوئی ان سے پوچھنے والا نہ تھا۔ اور ان سے کوئی باز پرس کرتا بھی کیسے۔ وہ خدمت خلق کے جذبہ کے تحت اس "فلاحی ادارے" کے لئے کام کرتے تھے۔ صرف ایک روپیہ ماہانہ اعزازیہ لیتے تھے۔ فرماتے تھے کہ قائدِ اعظم محمد علی جناح جب پاکستان کے گورنر جنرل تھے تو وہ بھی ایک روپیہ ماہانہ تنخواہ لیتے تھے۔ اس حیثیت سے سومار خود کو نیشنل پریس ٹرسٹ کا قائدِ اعظم تصور کرتے تھے۔ دونوں میں فرق صرف اس قدر تھا کہ قائدِ اعظم محمد علی جناح کو نہ ستائش کی تمنا تھی۔ نہ صلے کی پرواہ تھی۔ لیکن سومار نے بے شمار تجارتی فائدوں کے علاوہ فاروق ٹیکسٹائل بھی حاصل کیا۔ اور اپنی "خدمات" کا صلہ معہ منافع پایا۔ آدمی کاروباری ہو تو ہمیشہ فائدے ہی میں رہتا ہے۔ کسی افسر نے کراچی کے ایک سرمایہ دار سے پوچھا "سیٹھ تم جنت میں جاؤ گے یا جہنم میں ؟" اس نے نہایت انکساری سے جواب دیا "سر! یہ بھی کوئی پوچھنے کی بات ہے۔ اپن تو وہیں جائیں گے جہاں دو پیسے کا فائدہ ہو۔"

سچ پوچھئے تو سومار کو ٹرسٹ کے بنیادی تصور ہی سے ذہنی اختلاف تھا۔ اس لئے نہیں کہ ٹرسٹ صحافت کے نام پر ایک سیاسی پھندا ہے بلکہ وہ ٹرسٹ کو پبلک سکٹر کا تجارتی ادارہ سمجھتے تھے۔ وہ نجی سرمایہ داری یعنی پرائیویٹ سکٹر کے زبردست حامی تھے۔ اور پبلک سکٹر کی برملا مخالفت کرتے تھے۔ اسی لئے انہیں ٹرسٹ سے کوئی دلچسپی نہ تھی۔ دلچسپی ہوتی بھی کیسے۔ نقد معاوضے کے اعتبار سے ان کا کوئی مالی مفاد ٹرسٹ سے وابستہ نہ تھا۔ ان کی دلچسپی صرف اس حد تک تھی کہ وہ ٹرسٹ کو اپنے کاروبار کے فروغ، سیاسی کیریئر کی تعمیر اور اپنی شخصیت کی تشہیر کا ذریعہ تصور کرتے تھے۔ ٹرسٹ وہ سیڑھی تھی جس پر چڑھ کر وہ مرکزی وزارت تک پہنچنا چاہتے تھے۔

ٹرسٹ ان کو سیاسی رشوت میں ملا تھا۔ لہٰذا وہ اسے مالِ مفت دلِ بے رحم کی مانند تصرف میں لاتے تھے۔ اس کا تجربہ ہمیں پہلی ہی ملاقات میں ہوا۔ یہ اگست ۱۹۶۵ء کا ذکر ہے۔ سومار نئے نئے چیئرمین مقرر ہوئے تھے۔ پنڈی میں قومی اسمبلی کا اجلاس ہو رہا تھا۔ وہ اسمبلی ہال سے برآمد ہوئے تو دروازے ہی پر ان سے تعارف کرایا گیا۔ ملتے ہی انہوں نے کاغذات کا ایک پلندہ تھما دیا۔ کہنے لگے "اسے پڑھ لیجئے، شام کو تفصیل سے بات ہوگی۔"

اس پلندے کو دیکھا تو معلوم ہوا کہ "انجام" پشاور کے خلاف شکایات کا دفتر تھا۔ شکایات کرنے والے کنونشن لیگی تھے۔ یہ وہ لوگ تھے جنہیں نئی نئی دولت و ثروت ملی تھی جامے میں نہ سماتے تھے۔ یہ ایوب خاں کو "بادشاہ" کہتے تھے اور شہ کے مصاحب بن کر اتراتے تھے۔ انہیں سب سے زیادہ شکوہ اس بات کا تھا کہ ان کے بیانات کو نمایاں طور پر شائع نہیں کیا جاتا۔ قصور وار قلندر مومند کو ٹھہرایا گیا تھا۔ جو ان دنوں "انجام" پشاور میں نیوز ایڈیٹر تھے۔ شام کو سومار سے ملاقات ہوئی تو سب سے پہلے انہوں

کنونشن لیگیوں کے کہنے پر صحافیوں کے تبادلے اور تقرریاں ہوئیں

نے بھی ذکر چھیڑا۔ خان غدا محمد کا ذکر بطور خاص آیا۔ وہ سرحد سے قومی اسمبلی کے رکن تھے۔ اور قلندر مومند سے سخت ناراض تھے۔ انہیں ملازمت سے فوری طور پر برطرف کرانا چاہتے تھے۔ سومار کا اصرار تھا کہ قلندر کو فوراً علیحدہ کر دیا جائے۔ وہ خان غدا محمد کی بات ٹالنا نہ چاہتے تھے۔ سومار ان کی معرفت اپنی وزارت کے لئے ایوب خاں کو سفارش پہنچانا چاہتے تھے۔ کچھ جمیل الدین عالی نے زور دیا۔ کچھ میں نے اور "انجام" کے جنرل منیجر بادشاہ حسین نے نشیب و فراز سمجھایا۔ کچھ مسعود انور شفقی کی عاجزی کام آئی۔ غرضیکہ بڑی مشکل سے یہ معاملہ ٹلا اور اس شرط پر ٹلا کہ قلندر مومند کو فوراً پشاور سے کراچی تبدیل کر دیا جائے۔

چند ہی روز گزرے تھے کہ کراچی میں ایک روز ٹیلی فون پر چیئرمین کی طرف سے ہدایت ملی کہ سکھر کے نامہ نگار کو فوراً برطرف کر دیا جائے۔ اور اس کی جگہ مشتاق گیلانی کو مقرر کیا جائے۔ یہ فیصلہ سکھر کے ایک کنونشن لیگی کی سفارش پر کیا گیا تھا۔ نام ان کا اس وقت یاد نہیں۔ چھکن میاں یا اکھن میاں! کچھ اسی قسم کا نام تھا۔ سکھر کا نمائندہ نو، دس سال سے "انجام" سے وابستہ تھا۔ غریب کا کوئی قصور بھی نہ تھا۔ فیصلہ تبدیل کرانے کی گنجائش نہ تھی۔ لہذا بیک وقت دو ٹیلیگرام بھیجے گئے۔ ایک تار کے ذریعے پرانے کو برطرف کیا گیا اور دوسرے سے نئے کا تقرر عمل میں آیا۔

یہ دور بھی عجیب دور تھا۔ نت نئے لطیفے وارد ہوتے۔ ایک شب کوئی ڈیڑھ بجے کا عمل ہوگا کہ سومار صاحب اچانک "انجام" کے دفتر پہنچے اور اس شان سے پہنچے کہ ہر شخص حیران و پریشان کہ یا الہٰی یہ ماجرہ کیا ہے۔ عالم یہ تھا کہ ریشمی کرتا اور دھاریدار شب خوابی کا پائجامہ زیب تن۔ چہرہ فروغ مے سے گلستان بنا ہوا، ہونٹوں پر پھلجھڑیاں اکھتے کچھ تھے، زبان سے نکلتا کچھ تھا۔ معلوم ہوا کہ معائنہ پر آئے ہیں۔ یہ دیکھنے کے لئے کہ اخبار کا عملہ رات کو کام چوری تو نہیں کرتا۔ ایڈیٹر گھر جا کر سو تو نہیں جاتا۔ اخبار کی کارکردگی کے بارے میں یہ اس شخص کا تصور تھا جو نیشنل پریس ٹرسٹ کا چیئرمین تھا۔ اور جس کی نگرانی میں دس قومی اخبارات سپرد کئے گئے تھے (ایوب خاں! یہ قوم تمہیں کبھی معاف نہ کرے گی) جب وہ اس اچانک معائنہ سے فارغ ہوئے اور واپسی کا عزم کیا تو چلتے چلتے زور سے ٹھٹھہ مار کر بولے خلیفہ ہارون رشید بھی راتوں کو بھیس بدل کر رعایا کا احوال معلوم کرنے نکلتے تھے۔ کیا سمجھے آپ؟" اس سمجھانے پر سب کچھ سمجھ میں آ گیا بیدم وارثی کا یہ شعر یاد آیا ؎

آتے ہیں ہنسانے کو، جاتے ہیں رلانے کو
اس آنے کو کیا کہئے، اس جانے کو کیا کہئے

سومار کی چیئرمینی میں ٹرسٹ کے دوسرے اخبارات پر جو گزری وہ اپنی جگہ، مگر روزنامہ "انجام" پر وہ خاص طور پر مہربان تھے۔ کہتے تھے "ایوب خاں کو "انجام" کی بہت فکر ہے۔" شاید یہ فکر اس لئے تھی کہ "انجام" خسارے میں جا رہا تھا۔ یہ خسارہ کم کرنے کے لئے آئے دن ملاقاتیں ہوتیں۔ طویل بحثیں ہوتیں، اخراجات کم کرنے پر زور دیا جاتا۔ صبح یہ فیصلہ ہوتا کہ کسی نہ کسی طرح عملہ کم کرو۔ شام کو ہدایت ملتی کہ "فلاں" کو کسی نہ کسی کام پر لگا دو۔ کسی پول میں کھپا دو۔ ایسے لوگ کسی کنونشن لیگی کے فرستادہ ہوتے، کسی ایم این

مولوی فرید احمد نے وزارت کے لالچ میں کئی شیروانیاں سلوائیں لیکن افسوس اُن کی یہ حسرت پوری نہ ہوئی

اے کے بھائی بھتیجے ہوتے۔ کسی وزیر کے حلقہ بگوش ہوتے۔ انہیں مضمون نگار لگایا جاتا۔ نامہ نگار بنایا جاتا۔ بعض محض وظیفہ خوار تھے۔ وہ سومار صاحب کی جان و مال کی دعائیں دیتے۔ صبح و شام ان کے در پر حاضری دیتے۔ ان کے لئے جلسوں کا بندوبست کراتے۔ انہیں مہمان خصوصی بنواتے، زندہ باد کے نعرے لگواتے۔ ان کی نظروں میں سرخرو ہوتے اور اخبار کے عملے پر رعب گانٹھتے۔ کسی کو ملازمت سے برطرف کروانے کی دھمکی دیتے۔ کسی سے ترقی دلوانے کا وعدہ کرتے دفتروں میں اکڑتے ہوئے آتے اور مونچھوں پر تاؤ دیتے ہوئے جاتے۔

یہ صورت حال ایسی تھی کہ دل اچاٹ ہو گیا۔ شاید جلد ہی جھٹکا نصیب ہو جاتا۔ مگر اسی دوران بھارت سے جنگ شروع ہو گئی۔ یہ سترہ دن ایسے گزرے کہ تن من کا ہوش نہ رہا۔ وقت پر لگا کر اڑ گیا۔ جب جنگ کے بادل چھٹے اور کسی قدر سکون ہوا تو پھر وہی لیل و نہار تھے وہی اے کے سومار تھے۔ اب انہوں نے "ٹرسٹ" کے معاملات میں کچھ زیادہ ہی دلچسپی شروع کر دی تھی۔ ان دنوں وہ اپنے دفتر کے علاوہ اکثر گھر بھی بلاتے۔ شام کا وقت ہوتا اور ان پر سرخوشی کا عالم طاری ہوتا۔ ان صحبتوں میں جمیل الدین عالی بھی موجود ہوتے۔ بات ٹرسٹ کے معاملات سے شروع ہو کر سیاست اور شعر و ادب پر آ جاتی۔ بات سیاست تک رہتی تب بھی غنیمت تھی۔ مگر جب شعر و ادب کی حدود میں داخل ہوتی تو ہماری حالت قابل رحم ہوتی۔ سومار صاحب کو خوش ذوقی اور شعر فہمی کا بھی زعم ہے۔ وہ اقبال کے شعر بے تکان سناتے اور خود کو کلام اقبال کا حافظ بتاتے۔

اس وقت تک سومار صاحب نے اسلامی سوشلزم کو "فراڈ" قرار نہیں دیا تھا۔ لیکن گفتگو میں وہ سوشلزم پر تنقید کرتے۔ نجی سرمایہ داروں کو جائز قرار دیتے اور اسے "مشرف بہ اسلام" کرنے کے لئے کلام اقبال سے توجیہہ پیش کرتے۔ اس وقت ہمیں اندازہ ہوتا کہ کلام اقبال امرت دھارا ہے۔ ہر مرض کی دوا ہے۔ البتہ جمیل الدین عالی کی حالت پر ترس آتا۔ روزنامہ "جنگ"

ٹرسٹ کا پریس خفیہ سرگرمیوں کا مرکز بن گیا

میں ہر ہفتے ان کا کالم چھپتا "دنیا مرے آگے"۔ وہ دنیا کو اپنے آگے بازیچۂ اطفال سمجھتے تھے۔ اور سومار کے آگے عالم یہ ہوتا کہ مت پوچھ کہ کیا حال ہے میرا تیرے آگے۔ یہاں پتھروں سے سر ٹکرانے والا معاملہ تھا۔ بہ خود غلط آدمی سے سابقہ تھا۔ ہم دونوں عموماً خاموش رہتے اور اس قدر زیادہ خاموش رہتے کہ سومار کو مغالطہ ہو جاتا۔ وہ اور زیادہ چہکتے۔ اور زیادہ گل افشانیٔ گفتار فرماتے۔ لیکن جب ہم ان کے گھر سے باہر نکلتے تو جگر مراد آبادی کا یہ شعر کورس میں گنگناتے:

جہل خرد نے دن یہ دکھائے!
گھٹ گئے انسان بڑھ گئے سائے

جمیل الدین عالی ٹرسٹ کی ملازمت سے سخت نالاں تھے۔ سومار سے ان کی کئی بار تلخی بھی ہو چکی تھی۔ ٹرسٹ اب حکومت کے ساتھ ساتھ کنونشن لیگ کی تشہیر کا بھی ادارہ بن چکا تھا۔ سومار وزارت کے لئے جوڑ توڑ میں لگے رہتے۔ وہ آئے دن اخبارات میں اپنے وزیر بن جانے کی افواہیں شائع کراتے جس روز ایسی خبر شائع ہوتی وہ تصدیق یا تردید کے ڈر سے گھر سے باہر نہ نکلتے۔ ٹیلی فون پر بھی بات نہ کرتے۔ لبر یم کھا کر سو جاتے اور وزارت کے خواب دیکھتے۔ ایسی خبروں کا مقصد یہ ہوتا کہ ایوب خاں کو اپنا وعدہ یاد آجائے۔ اور ایوب خاں تھے کہ انہیں اپنا وعدہ یاد ہی نہ آتا تھا۔ نہ معلوم کتنے ایسے تھے جو ان وعدوں پر جی رہے تھے۔ سنا ہے مولوی فرید احمد جب تابڑ توڑ کئی گرماگرم تقریریں حکومت کے خلاف قومی اسمبلی میں کر چکتے تو ایوب خاں کا کوئی "خاص افسر" انہیں لنچ پر بلاتا اور باتوں باتوں میں ان کے کان میں یہ بات ڈال دیتا کہ ایوب خاں مرکزی کابینہ میں تبدیلی کرنے والے ہیں اور انہیں وزیر محنت کا قلمدان سپرد کرنے کا ارادہ رکھتے ہیں۔ مولوی فرید احمد کئی بار چوٹ کھانے کے باوجود پھر جھانسے میں آجاتے اور بازار میں جا کر نئی شیروانی سلوانے کا آرڈر دے دیتے! افسوس کہ ان کی کئی شیروانیاں پرانی ہو کر اترن بن گئیں مگر یہ حسرت پوری نہ ہوئی۔

ٹرسٹ کے صدر دفتر میں ملازمین ہاتھ پر ہاتھ دھرے بیٹھے رہتے۔ لیکن ٹرسٹ کے پریس میں نت نئی سرگرمیاں رونما ہو رہی تھیں۔ لوگ اسے "سیاسی قمار خانہ" کہتے۔ یہ ان دنوں کا ذکر ہے جب محمود ہارون مغربی پاکستان کی کابینہ میں وزیر بن چکے تھے۔ اور قومی اسمبلی میں ان کی خالی نشست کے لئے ضمنی انتخاب ہونے والا تھا۔ خان بہادر حبیب اللہ کنونشن لیگ کے نامزد امیدوار تھے۔ ٹکٹ خود ایوب خاں نے دیا تھا۔ اور اس قربانی کے صلے میں دیا تھا کہ انہوں نے ایوب خاں کی ہدایت پر کراچی میونسپل کارپوریشن کے نائب چیئرمین کا عہدہ ضیاء اللہ کے لئے خالی کر دیا تھا۔

یہ ایک علیحدہ قضیہ ہے۔ ایوب خاں صدارتی انتخاب میں کامیاب ہوتے تو کراچی میں گوہر ایوب کی

ٹرسٹ کا

کاغذ، روشنائی

اور فلمیں بازار

میں فروخت

ہوتی رہیں

سرگردگی میں "جلوس فتح" نکالا گیا۔ انجام اس کا برا ہوا پٹھانوں اور مہاجروں میں تصادم ہوا۔ قتل و غارت گری ہوئی۔ آتش زنی ہوئی۔ تباہی اور بربادی ہوئی۔ مہاجرین کے دلوں میں ایوب خاں کے خلاف نفرت پیدا ہوئی۔ سنا ہے اس نفرت کو دور کرنے اور مہاجرین کے دل جیتنے کے لئے چودھری خلیق الزماں نے یہ نسخہ تجویز کیا کہ کارپوریشن کا نائب چیئرمین کسی ایسے شخص کو بنایا جائے جو خالص مہاجر ہو یعنی جس کا تعلق دلی یا یو پی سے ہو۔ ایوب خاں کو تجویز پسند آئی۔ انہوں نے حبیب اللہ کو ہدایت کی کہ وہ نائب چیئرمینی کے مقابلے سے دستبردار ہو جائیں۔ اس طرح الہ آباد سے تعلق رکھنے والے ضیاء اللہ کارپوریشن کے نائب چیئرمین بنے اور خان بہادر حبیب اللہ کی امیدواری قومی اسمبلی کی امیدواری میں تبدیل ہو گئی۔ حبیب اللہ کو نامزد کرنے کے بعد ایوب خاں نے یوسف ہارون، سومار اور زین نورانی کو طلب کیا۔ انہیں اپنا فیصلہ بتایا اور یہ ہدایت کی کہ وہ خان بہادر حبیب اللہ کو کامیاب بنائیں۔ ایوب خاں کے سامنے کسی کو کہاں دم مارنے کی گنجائش تھی۔ انہوں نے خاموشی کے ساتھ ہدایات سنیں اور ان پر عمل کرنے کی یقین دہانی بھی کی۔

مگر یہ گروپ اس فیصلے سے خوش نہ تھا حبیب اللہ سے ان کی سیاسی رقابت تھی۔ سبب اس کا یہ تھا کہ قومی اسمبلی کے انتخابات میں حبیب اللہ نے محمود ہارون کی مخالفت کی تھی اور انہیں شکست دلانے کی ہر ممکن کوشش کی تھی۔ چنانچہ انہوں نے اپنا نمائندہ تو کوئی کھڑا کیا نہیں۔ کوئٹہ سے غوث بخش بزنجو کو بلا کر حبیب اللہ کے مقابلے میں کھڑا کر دیا۔ بزنجو نیشنل عوامی پارٹی (ولی گروپ) کے ممتاز رہنما اور ایوب خاں کے مخالف تھے۔ ہارون گروپ کھل کر بزنجو کی حمایت نہ کر سکتا تھا۔ ایوب خاں کی دشمنی مول لینے کا خطرہ تھا۔ لیکن وہ انتہائی رازداری کے ساتھ سب کچھ کرتے رہے۔ سنا ہے درپردہ انہیں نواب کالا باغ مرحوم کی سرپرستی بھی حاصل تھی۔ انہوں نے اپنی یہ تمام سرگرمیاں خفیہ رکھیں۔ اس کے لئے انہیں جگہ کی تلاش ہوئی۔ ٹرسٹ کا چھاپہ خانہ انہیں سب سے محفوظ مقام نظر آیا چنانچہ سومار نے پہلے پریس کے منیجر زیڈ اے تمنائی کو برطرف کیا اور اس کی جگہ اپنے ایک اعتماد کے آدمی کو منیجر مقرر کیا۔

جب تک قومی اسمبلی کی اس نشست کا ضمنی انتخاب نہیں ہوا۔ اس وقت تک ٹرسٹ کا پریس ان تمام خفیہ سرگرمیوں کا مرکز رہا۔ کہیں راتوں کو چھپ کر سومار، یوسف ہارون، زین نورانی اور ان کے گروپ کے دوسرے لوگ ملتے۔ حلقے کے بی ڈی ممبروں کو بلاتے

باقی صفحہ ۴۴ پر

فلسطینی حریت پسندوں کے

انقلابی نغمے

ترجمہ :- نعیم آروی

فتح کی تقریب میں
مَیں مارچ کر رہا ہوں، اپنا انتقام لینے کے لئے
مَیں قسم کھاتا ہوں کہ میں اپنا انتقام لوں گا
مَیں نبلس کو آزاد کراؤں گا
مَیں خان یونس کو آزاد کراؤں گا
مَیں اپنی زمین، آتش فشاں پہاڑوں کو ہرگز، ہرگز
دوسروں کے رحم و کرم پر نہ چھوڑوں گا
مَیں طوفان ہوں، آتش فشاں ہوں، مَیں انقلاب ہوں
مَیں ایک فدائی ہوں جو موت سے نہیں ڈرتا
موت کتنی بار آتی ہے ؟
ہاتھوں میں بندوق لے کر، مَیں اپنے وطن کی زمین پر
مارچ کرتا ہوں، فتح کی تقریب میں
مَیں قسم کھاتا ہوں کہ دشمن کے سامنے پسپا نہ ہوں گے
فدائین، ان سے آگ اور بندوق کی زبان میں بات کرینگے
مَیں اپنے پرچم کو ہمیشہ سر بلند رکھونگا، یا مر جاؤں گا، اپنے وطن کی
زمین پر ! میرے جسم سے عوام اٹھیں گے۔
فتح کا پرچم لئے ہوئے اور وطن کو آزاد کرائیں گے
فتح کی تقریب میں۔

میرا خون، میری سڑک، میرا ملک، میری قومیت
مَیں ایک فلسطینی عرب ہوں
مَیں انقلاب کی تڑپتی ہوئی آگ کی ایک چنگاری ہوں
مَیں جسم چھیدنے والا ایک چمکدار نیزہ ہوں
مَیں فائر ہونے والا بلٹ ہوں
مَیں توپ کے ٹریگر پر جما ہوا مضبوط ہاتھ ہوں
یروشلم میں، حیفہ اور رملا
مَیں مقبوضہ علاقوں کا انقلاب ہوں،
آزادی کا یہی وہ راستہ ہے جسے فدائین کے ہاتھوں نے کھولا ہے
اپنے ہاتھوں سے، خنجروں اور برچھیوں سے
کدالوں سے، راکٹ اور بندوقوں سے، ہم لڑیں گے،
یہ ہمارے عوام کا عزم ہے، یہ انقلاب ہے،
میرا خون، میری سڑک، میرا ملک، میرا نام، میری قومیت
مَیں ایک فلسطینی عرب ہوں !



عوام اپنے مسائل کا حل آج چاہتے ہیں

محنت کشوں پر اگر بھروسہ کیا جائے تو وہ پوری جرأت اور حوصلے کے ساتھ ایک طویل جنگ لڑنے کے لئے بھی تیار ہیں

اشرف شاد

زین الدین خاں لودھی قومی مزدور محاذ کے کنوینر ہیں۔ ایک عرصے تک سیاست کے میدان میں مزدوروں اور کسانوں کی قیادت کرتے رہے ہیں۔ آج کل ٹریڈ یونین کے محاذ پر پرولتاریہ کو منظم کرنے اور انہیں سیاسی شعور دینے کی ذمہ داریوں سے نمٹ رہے ہیں۔ ان سوالات پر مزدوروں کے ایک مسلمہ نمائندہ ہونے کی حیثیت سے ہم نے ان کی رائے پوچھی تو انہوں نے ہمیں انتہائی دوٹوک الفاظ میں بتایا کہ لوگ مسائل سے آج دوچار ہیں۔ لیکن منتخب عوامی نمائندے انہیں دلاسے دے رہے ہیں کہ کل ہم برسر اقتدار آئیں گے تو تمہارے سارے مسائل حل کر دیں گے۔ یہ ایک غیر حقیقت پسندانہ بلکہ غیر دانشمندانہ طرز فکر ہے۔ عوام اپنے انتہائی شدید مسائل کا حل آج چاہتے ہیں لیکن منتخب نمائندے انہیں وعدہ فردا پر ٹال کر نہ صرف ان کی امیدوں کا خون کر رہے ہیں۔ جو انہوں نے ان سے وابستہ کی تھیں بلکہ اس طرح خود کو غیر مقبول بنانے کی کوشش بھی کر رہے ہیں۔ اگر عوام کے ان نمائندوں نے فوری طور پر اپنی اس روش کو تبدیل نہ کیا اور عوامی مسائل اور مطالبات پر عوام کا ساتھ نہیں دیا تو عوام خود اپنے منتخب کئے ہوئے ان نمائندوں کو بھی استحصالیوں کا ساتھی سمجھنے پر مجبور ہو جائیں گے۔

جناب زین الدین خاں نے کہا کہ انتخابات کے دوران میں مزدوروں اور کسانوں نے یہ بات بالکل واضح کر دی ہے کہ اگر ان پر بھروسہ کیا جائے تو وہ پوری جرأت اور حوصلے کے ساتھ ایک طویل جنگ کرنے کے لئے بھی تیار ہیں۔ منتخب نمائندے شائد اس بات سے واقف بھی نہ ہوں گے کہ ہمارے ان جرأت مند مزدوروں اور کسانوں پر انہیں منتخب کرنے کے دوران میں کیا کچھ بیتی ہے۔ اور اب انتخابات کے بعد وہ سندھ، پنجاب اور سرحد کے جاگیرداروں اور سرمایہ داروں کے ہاتھوں انتقام کا نشانہ بن رہے ہیں۔

انہوں نے کہا کہ انتخابات ہونے کے باوجود ہمارے سماج میں مسائل کی وہی کھیپ موجود ہے۔ سماج کی ناہمواریاں بالکل اسی طرح ہیں۔ مٹھی بھر ظالم ملک کی مظلوم اکثریت پر عرصۂ حیات تنگ کئے ہوئے ہیں۔ ظلم و تشدد کی وہی ریت ہے۔ اپنے آقاؤں کے خلاف بغاوت کرنے والے مزدوروں اور کسانوں کو اپنے اس جرم کے بدلے میں ظلم و تشدد کا شکنجہ کسا ہوا معلوم ہو رہا ہے۔ لیکن اس کے باوجود وہ ایک بڑی اور کھلی جنگ لڑنے کے لئے تیار ہیں۔ عوام کے منتخب نمائندوں نے اگر اس مرحلہ پر کسی سستی کا مظاہرہ کیا یا موقع پرستی اور مصلحت پسندی کو شعار بنایا تو کل عوام کے غیض و غضب کا وہ سب سے پہلے نشانہ بنیں گے۔

ہمارے منتخب اراکین اسمبلی کو مزدوروں کے ایک ترجمان کی ان باتوں پر فوری طور سے غور کرنا چاہیئے۔

زین الدین خاں کنوینر قومی مزدور محاذ نے پانچ نکاتی مطالبات پیش کئے ہیں۔ انہوں نے اعلان کیا ہے کہ وہ ان مطالبات کے حصول کے لئے بھرپور جدوجہد کی جائے گی۔ اور مزدوروں اور کسانوں کا نام لینے والے منتخب عوامی نمائندوں نے اگر اس کی راہ میں رکاوٹ بننے کی کوشش کی تو ان کو بھی ایسی صف میں کھڑا کر دیں گے جو استحصالیوں اور ان کی کٹھ پتلیوں کی صف ہے۔ ان کے یہ پانچ مطالبات حسب ذیل ہیں

۱۔ مزدوروں، کسانوں اور طالب علموں کو غیر مشروط طور پر فوری رہا کیا جائے۔

۲۔ اشیائے صرف کی قیمتوں میں کمی کی جائے۔

۳۔ اجرتوں میں معقول اضافہ کیا جائے۔

۴۔ مزدوروں کے خلاف انتقامی کاروائیاں نہ کی جائیں۔

۵۔ کسانوں کی بے دخلی بند کی جائے۔

پروفیسر عتیق احمد

اب ہماری تمہاری کھلی جنگ ہے

آجرو! تاجرو!!
یہ کھُلی بات ہے
وہ کہ صارف ہیں یا وہ کہ مزدور ہیں
سب تمہارے ہی دستِ ستم کیش کے
سب تمہارے ہی دستِ نفع خیز کے
سارے مظلوم و مجبور و مقہور ہیں
وہ کہ صارف ہیں یا وہ کہ مزدور ہیں
تم سے سب تنگ ہیں
آجرو! تاجرو!!
تم کہ سیاس ہو
تم بڑے گھاگ ہو اور چالاک ہو اور سفاک بھی
عدل و انصاف کی ساری ہی قوتیں
زہد و تقویٰ، امامت، کرامت، سبھی
جُبّہ۔ دستار بھی
سب تمہارے ہی دستِ ستم کیش پر
سب تمہارے ہی دستِ نفع خیز پر
بیعت کرتے ہیں سب، سجدے کرتے ہیں سب
اور تم۔ آجرو! تاجرو!!
تم کہ سیاس ہو اور بڑے گھاگ بھی اور سفاک بھی
حج بھی کرتے ہو تم
مسجدوں، منبروں کی بھی رونق ہو تم
یوم، اسلام کی شوکت و شان کے
سب کا تم سے بھرم
رشوتیں، ڈالیاں، چور بازاریاں
قیمتیں، سُود، سٹہ قحط زاریاں
شرعِ دینِ متین سے وفاداریاں
اور دنیا زمانے کی عیّاریاں
آجرو! تاجرو!!
ہم سمجھتے ہیں سب
تم بڑے گھاگ ہو
آجرو! تاجرو!!
تم سے سب تنگ ہیں
یہ زمین و زمین، ان کی سب نعمتیں
ان سے بہرہ وری۔ ان سے تن پروری۔ ان سے جان پروری
اِک تمہارا ہی حقِ مُبیں تو نہیں
جان لو! اور بھی سینکڑوں
بندگانِ خدا جی رہے ہیں یہاں
جن کو نانِ جوَیں
تن کے کپڑے۔ مکان
کچھ ملتا ہی نہیں
اور تم اپنے دستِ ستم کیش پر
کارخانوں کی سرسوں جماتے رہو
کار اور کوٹھیاں بھی اُگاتے رہو
آجرو! تاجرو!!
سب کھُلی بات ہے،
اتنا اب جان لو، لمحہ پہچان لو
یہ سمجھ لو کہ یہ ظلم کے دائرے
اب بہت بڑھ چلے
سائے لمبے ہوئے بھوک و افلاس کے
اور یہ جان لو
ظلمتوں، غربتوں کے یہ مارے ہوئے
تا بہ کے
آخرت کی سزا و جزا کے رہیں منتظر
آجرو! تاجرو!!
لمحہ وہ آگیا
وہ کہ صارف ہیں یا وہ کہ مزدور ہیں
وہ، جو سب تنگ ہیں
باندھ سر سے کفن اب نکلنے کو ہیں
رجز گاتے ہوئے دف کی 'یوں' تھاپ پر
ہم بہت تنگ ہیں
ہم بہت تنگ تھے
اب ہماری تمہاری کھلی جنگ ہے کھلی جنگ ہے

قارئین اور سیاسیات

"سندھ میں لسانی مسئلہ" سیاسی شعور رکھنے والے قارئین کی توجہ کا مستحق ہے
آپ کی کیا رائے ہے۔ الفتح کے صفحات اس کے لئے حاضر ہیں (ادارہ)

موجودہ لسانی تنازعے سے

صرف جاگیردار اور سرمایہ دار کو فائدہ پہنچ سکتا ہے

اشرف الدین

یہ صحیح ہے کہ اردو، اسلام اور نظریہ پاکستان کے نام پر قدامت پرستوں نے مدتوں استحصال کیا یہ بھی صحیح ہے کہ موجودہ الیکشن ان طاقتوں کو عبرت ناک شکست ہوئی ہے مگر استحصال کرنے والے کون تھے؟ کیا اردو بولنے والے عوام؟ یا چند مفاد پرست سرمایہ دار اور نوکر شاہی؟ اور کیا اردو کو دیس نکالا دے کر عوامی اتحاد کو مضبوط کیا جا رہا ہے آج صورت یہ ہے بلکہ فیشن ہو گیا ہے کہ جو شخص یہ مطالبہ کرے کہ سندھ کی آبادی میں تقریباً ۵۰ فیصد سندھی بولتے ہیں اور بقایا اردو کی بقا بھی ضروری سمجھتے ہیں تو فوراً اس شخص پر رجعت پسند امریکی دلال کا لیبل چسپاں کر دیا جاتا ہے کہ یہ لوٹنے والا ہے حسن ناصر اردو بولتا تھا کیا وہ بھی رجعت پسند اور امریکی دلال تھا؟ جس نے سرمایہ دارانہ جاگیردار نظام کو بھسم کرنے کے لئے خود کو موت کے حوالے کر دیا؟ کیا اردو کے معروف ترقی پسند ادیب اور دوسرے ہزاروں افراد جنہوں نے سوشلزم کے قیام کو اپنی زندگی کا مقصد بنا رکھا ہے یہ سمجھتے ہیں کہ جب تک اردو کو بند نہیں کیا جاتا سوشلسٹ معیشت قائم نہیں ہو سکتی؟ کیا موجودہ انتخابات میں سوشلسٹ نظام کے لئے سب سے بڑی لڑائی مساوات، نصرت لیل و نہار، الفتح ایسے اخباروں اور رسالوں نے نہیں لڑی ہے؟ کیا پیپلز پارٹی کے سندھی آرگن نے سوشلزم کی ان کے مقابلے میں ایک فیصد بھی خدمت کی ہے؟ یہ بات بالکل واضح ہے کہ اس جنگ کو جیتنے میں ۹۹ فیصد حصہ اردو اخبارات اردو رسالوں اور اردو زبان کا ہے پھر جب سیکنڈری بورڈ اردو کو خارج کر کے تنہا سندھی کو اپنی زبان بناتا ہے اور اردو دان طبقہ یہ مطالبہ کرتا ہے کہ چونکہ سندھ میں بشمول کراچی ۵۰ فیصد عوام اردو بھی چاہتے ہیں اس لئے سندھی کے ساتھ اردو کو بھی رکھا جائے تو یہ شور کیوں مچایا جاتا ہے کہ سامراجی علاقائی زبان پر حملہ کر رہے ہیں اور سندھ کی زبان تہذیب اور کلچر کو تباہ کر دینا چاہتے ہیں اس شور و غوغا کا مطلب اس کے علاوہ کچھ نہیں کہ اپنے مطلب کے مطابق سوشلزم کی تشریح کی جائے سب سے زیادہ تشویشناک بات یہ ہے کہ اس دنگل میں اسمبلی کے منتخب شدہ پیپلز پارٹی کے ممبران بھی لنگر لنگوٹ کس کر اکھاڑے میں اتر آئے ہیں۔ اور اپنے داؤں کے کرتب دکھا کر ایک دوسرے سے بازی لے جانے میں مصروف ہیں انہوں نے سوشلسٹ پروگرام کو پس پشت ڈال دیا ہے۔ اور ایک ایسی مہم میں مصروف ہیں جن سے صرف جاگیردار اور سرمایہ دار کو فائدہ پہنچ سکتا ہے کہ عوام کو ایک طویل عرصے کے لئے لسانی جنگ میں مبتلا کر دیا جائے۔

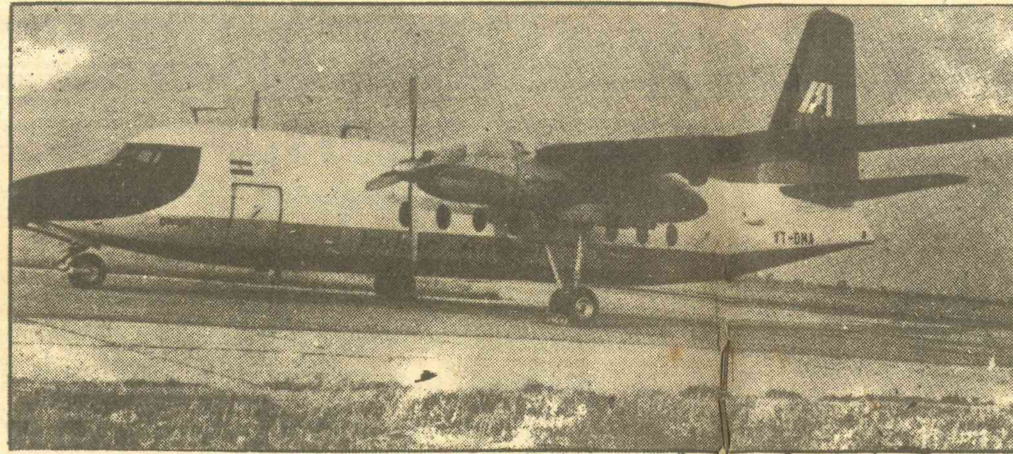
سندھی بلاشبہ نافذ ہو کر رہے گی کراچی میں بھی بشمول یونیورسٹی اور دیگر تعلیمی اداروں اور سرکاری دفتروں کے اسے جلد ہی نافذ ہونا ہے اسے کوئی نہیں روک سکتا ہے لیکن سندھ کو اردو کا قبرستان بھی نہیں بننا ہے پورے سندھ میں سندھی کے ساتھ ساتھ اردو کو بھی مساوی حق ملے گا یہ کہہ دینا کہ سندھی علاقائی زبان ہے اور سندھ میں یہی رہے گی اردو مرکز کی زبان ہو گی یعنی صرف اسلام آباد میں دفتروں تک اس کے وجود باقی رہے گا ایک غیر حقیقت پسندانہ رویہ ہے کراچی اور سندھ کی نصف آبادی کو اس طرح نظرانداز کر دینا نہ تو جمہوری طریقہ ہے نہ چلنے والا ہے اس کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ آپ ایک انتہائی متعصبانہ اقدام کر کے ایک نئی تحریک کو جنم دینا چاہتے ہیں تاکہ سندھی اور اردو کے نام پر پورے صوبہ میں جو تم بیزار ہوتی رہے اور سرمایہ دار اور جاگیردار چین کی بانسری بجاتے رہے۔ وہ مولانا مودودی کا اسلام ہو یا جی ایم سید کا نیشنلزم اسلام کے نام پر انتشار پھیلایا جائے یا زبان اور کلچر کے نام پر گڑبڑ کی جائے سچے سوشلسٹوں کو غریب عوام کی خاطر ان دونوں طاقتوں کا سر کچلنا ہی ہو گا ورنہ یہاں بھی وہی سوشلزم آ جائے گا۔ جس کا ہٹلر مدعی تھا اور جو سوشلزم اور نیشنلزم کے نام پر ساری دنیا میں فساد برپا کر چکا ہے کیا ہم اس سے عبرت حاصل نہیں کر سکتے اس لئے یہ ۵ - ۶ مہینے ایسے ہیں کہ صرف طبقاتی جدوجہد عوام کے روٹی روزی کے مسئلہ کو اولیت دی جائے ورنہ خدشہ ہے کہ یہ وڈیرے اور اسلام پسند سوشلسٹ پروگرام کو بالکل روک دیں گے ہم سندھ کے ان بڑے جاگیرداروں اور بڑے زمینداروں سے جو پیپلز کے ٹکٹ پر منتخب ہوئے ہیں یہ امید رکھیں کہ وہ اس آگ کو بھڑکانے کی کوشش نہ کریں گے بصورت دیگر پارٹی کی مرکزی مجلس عاملہ کو ہدایت جاری کرنی چاہیئے کہ وہ زبان جیسے نازک مسئلہ پر محتاط ہو کر بیان بازی کریں۔ اور زہر اگلنے کے لئے جی ایم سید اور مظفر حسین کے ٹولے کو رہنے دیں۔


اشرف قریشی


ہاشم قریشی

جموں وکشمیر قومی محاذ آزادی کی مسلح جدوجہد کا جائزہ




انڈین ایئر لائنز کا فوکر فرینڈ شپ طیارہ "گنگا" جسے دو کشمیری حریت پسندوں نے اغوا کے بعد تباہ کر دیا

محکوم عوام کے لئے ماسوائے مسلح جدوجہد کے اور کوئی طریقۂ کار باقی نہیں رہا


امان اللہ خان


مقبول احمد بٹ

حریت پسندوں کی بندوقیں آزادی کی منزل کو قریب تر لا رہی ہیں

الفتح فیچر

"خود اعتمادی سے کام لو، کٹھن جدوجہد کرو" چیئرمین ماؤزے تنگ کا یہ قول غلامی کی زنجیروں میں جکڑے ہوئے تمام محروم و مجبور انسانوں کے لئے مشعلِ راہ ہے۔ کشمیری عوام جب تک اپنی آزادی کے لئے دوسروں کی مدد کے طالب رہے تو آزادی کے بجائے غلامی کی زنجیروں کی گرفت کچھ زیادہ ہی مضبوط ہوتی گئی۔ کشمیریوں کی ہر پرامن جدوجہد اور آئینی ذرائع سے اپنے کھوئے ہوئے حقوق کی بازیابی کی ہر کوشش کا جواب ظلم و تشدد سے دیا گیا۔ ۱۹ سال تک دوسروں کے رحم و کرم اور امداد کے منتظر رہنے کے بعد خود اعتمادی سے کام لیتے ہوئے امان اللہ خاں اور مقبول احمد بٹ وغیرہ نے ۱۹۶۶ء میں جموں وکشمیر قومی محاذِ آزادی کے نام سے ایک گوریلا تنظیم بنا ڈالی جو جلد ہی ریاست کے گوشے گوشے میں پھیل گئی۔ حریت پسندوں کی ایک بڑی تعداد اس کے پرچم تلے جمع ہو گئی۔ اسی تنظیم کے دو مجاہدوں ہاشم قریشی اور محمد اشرف نے ۳۰ جنوری ۱۹۷۱ء کو ایک بھارتی طیارے کو لاہور میں اترنے پر مجبور کر دیا اور ۲ فروری کو اس طیارے کو بم سے اڑا دیا۔

یوں تو تاریخِ انسانی ظلم و بربریت، استعماد، مکروہ اور بھیانک جرائم سے بھری پڑی ہے لیکن جس طرح ریاست جموں وکشمیر کے عوام کو غلامی کی ناپاک اور سنگین زنجیروں میں جکڑا گیا، تاریخ ایسے بھیانک اور شرمناک جرم کی مثال پیش کرنے سے قاصر ہے۔ "جمہوریت اور حقوقِ انسانی" کے علم بردار سفید فام لیڈروں نے کشمیری عوام کو بھیڑ بکریوں کی طرح گلاب سنگھ کے ہاتھوں فروخت کر دیا تو بھارتی توسیع پسندوں نے کشمیریوں کو جبراً اپنا غلام بنایا۔ کشمیری عوام کے خلاف اس سوچی سمجھی سازش پر بڑی طاقتیں خاموش رہیں۔ امریکی سامراج نے بھارت کو اسلحہ دے دے کر کشمیر پر غاصبانہ قبضہ برقرار رکھنے میں مدد دی تو سوویت یونین کے مارشل بلگانن نے بھارت کا دورہ کرتے ہوئے کشمیر کو بھارت کا اٹوٹ حصہ قرار دے دیا۔ پھر اعلان تاشقند کے ذریعے کشمیر کو بھارت کی جھولی میں ڈال دیا۔ اقوام متحدہ جو بڑی طاقتوں کی دلال ہے۔ اس نے اپنے آقاؤں کے اشارے پر مسئلہ کشمیر کو سرد خانے میں ڈال دیا۔ کشمیریوں کو صرف پاکستان سے امید تھی کیونکہ پاکستان کے عوام اپنے کشمیری بھائیوں کے لئے جان و مال، سب کچھ قربان کرنے کو تیار رہیں۔ لیکن پاکستان کی ہر حکومت نے کشمیر کے معاملے میں مجرمانہ غفلت سے کام لیا۔ بلکہ کشمیر کے نام پر عوام کا استحصال کیا گیا۔ اور اپنے اقتدار کی مدت دراز کی گئی۔ ایوب خان نے تو تاشقند میں اپنے شہیدوں کے لہو کا سودا کرنے کے ساتھ ساتھ کشمیر کا بھی سودا کر لیا اور پھر جب کراچی میں ہونے والی مسلم ممالک کے وزرائے خارجہ کی کانفرنس میں بھی مسئلہ کشمیر کو زیرِ بحث لانے کی زحمت گوارہ نہ کی گئی تو صاف ظاہر ہو گیا کہ حکومت پاکستان کو مسئلہ کشمیر سے کوئی دلچسپی نہیں ہے۔

> ایوب خاں نے تاشقند
> میں اپنے شہیدوں کے
> لہو کا سودا کرنے
> کے ساتھ ساتھ کشمیر کا
> بھی سودا کر لیا

جب پرامن جدوجہد کی کوئی گنجائش نہ رہے۔ قانونی ذرائع سے حقوق کا حصول ناممکن نظر آتا ہو۔ جب مسلسل احتجاج کے باوجود اصلاح کی کوئی صورت باقی نہ رہے تو غلامی کی زنجیروں میں جکڑے ہوئے مجبور عوام کے لیے ماسوائے مسلح جدوجہد کے اور کوئی طریقۂ کار باقی نہیں رہتا، چنانچہ کشمیریوں نے جموں وکشمیر قومی محاذِ آزادی کے پرچم تلے مسلح جدوجہد شروع کر دی۔

۱۹۶۶ء میں قومی محاذِ آزادی کے حریت پسندوں کا ایک دستہ امان اللہ اور مقبول احمد بٹ کی قیادت میں مقبوضہ کشمیر میں داخل ہو گیا۔ لاتعداد بھارتی فوجیوں کو کیفرِ کردار تک پہنچایا۔ اور دشمن کی کئی فوجی تنصیبات کو تباہ و برباد کر دیا۔ چھ ماہ خفیہ طور پر کام ہوتا رہا، لیکن ایک غدار نے بھارتی توسیع پسندوں کو تنظیم کے خفیہ اڈے کے بارے میں بتا دیا۔ چنانچہ بھارتی فوج کی ایک پوری رجمنٹ نے مذکورہ علاقے کو گھیرے میں لے لیا۔ حریت پسندوں نے آخری گولی تک بھارتی فوج کا مقابلہ کیا۔ کئی جیالے شہید ہوتے۔ بعض گھیرا توڑ کر نکلنے میں کامیاب ہو گئے جن میں امان اللہ بھی شامل تھے البتہ مقبول احمد بٹ سمیت تین سو مجاہدین گرفتار کر لئے گئے۔ سرینگر جیل میں حریت پسندوں پر انسانیت سوز ظلم توڑے گئے۔ مقبول احمد بٹ کو سزائے موت سنائی گئی لیکن ایک رات جب برف باری ہو رہی تھی وہ چند قیدیوں کی مدد سے جیل کی دیوار توڑ کر فرار ہونے میں کامیاب ہو گئے اور آزاد کشمیر پہنچنے میں کامیاب ہو گئے لیکن یہاں کی حکومت نے بھی مقبول احمد بٹ کو "مجرم" گردانا اور انھیں رسوائے زمانہ دلائی کیمپ میں نظر بند کر دیا۔ بالآخر زبردست عوامی دباؤ نے حکومت کو مجبور کر دیا کہ وہ مقبول بٹ کو رہا کر دے۔

آپریشن لائیٹر

۱۹۶۹ء کے اکتوبر کی ایک رات کا ذکر ہے۔ قومی محاذِ آزادی کی جنوبی کمان کے ہیڈ کوارٹر میں جنرل ہیڈ کوارٹر سے جموں کے علاقے میں کارروائیوں کا آغاز کرنے کا حکم موصول ہوا۔ جنوبی ہائی کمان کے مجاہد اس حکم کا عرصہ سے انتظار کر رہے تھے۔ چنانچہ اس حکم کے ملتے ہی انھوں نے تیاریاں شروع کر دیں۔ یہ سب لوگ سب سے پہلے اپنے مقررہ نشانوں کی دیکھ بھال کے لئے روانہ ہوئے۔ اس دیکھ بھال میں ڈیڑھ ماہ صرف ہو گیا۔ نومبر کے آخر میں جنوبی کمان کے ہیڈ کوارٹر میں حریت پسندوں کا ایک اجلاس ہوا جس میں حملے کے وقت اور دن کا تعین کیا گیا۔

دومانہ کے بریگیڈ ہیڈ کوارٹر پر حملہ

دومانہ ایک چھوٹا سا قصبہ ہے جو جموں اکھنور روڈ پر جموں سے چند میل کے فاصلے پر ہے۔ یہ سڑک زنبھیر نہر کے ساتھ ساتھ اکھنور تک جاتی ہے اور یہ قصبہ بھی نہر کے کنارے پر واقع ہے۔ یہاں بھارت کے چھبیسویں ڈویژن کے انیسویں بریگیڈ کا ہیڈ کوارٹر ہے۔ ۸ دسمبر ۱۹۶۹ء کی صبح کو میجر سورج پرکاش حسب معمول کام کر رہا تھا۔ دس بجے اس نے گھنٹی بجائی اور اپنے کلرک کو بلوایا۔ کلرک کمرہ میں داخل ہی ہوا تھا کہ اچانک کمرہ میں رکھا ہوا ایک ٹائم بم پھٹا۔ میجر سورج پرکاش اور کلرک زخمی ہو گئے۔ دفتر کی عمارت میں دراڑیں پڑ گئیں، کھڑکیاں اور دروازے ٹوٹ گئے۔ بھارتی فوج کے دونوں آدمیوں کو فیلڈ ایمبولینس میں ڈال کر جموں کے ملٹری ہسپتال میں لے جایا گیا۔

ستواری پر حملہ

ستواری جموں کشمیر کی بہت بڑی چھاؤنی ہے۔ اس چھاؤنی میں عیسائیوں کا ایک بہت بڑا گرجا گھر ہے۔ اس گرجا گھر کے بالمقابل بھارتی فوج کا ایک بہت بڑا عارضی کیمپ ہے، جہاں کشمیر سے بھارت کو جانے والی یا بھارت سے کشمیر جانے والی فوجیں قیام کرتی ہیں۔ اس کیمپ میں بھارتی فوج کے تیسرے پہاڑی ڈویژن کے انیسویں بریگیڈ کی چھٹی راج رائفل یونٹ قیام پذیر تھی۔ یہ یونٹ کئی خیموں میں مقیم تھی، اور یہ لداخ سے انبالہ چھاؤنی جا رہی تھی۔ یہ لداخ میں تیسرے پہاڑی ڈویژن کا ہیڈ کوارٹر ہے۔ ان خیموں کے درمیان ایک فوجی ٹرک کھڑا تھا۔ آٹھ دسمبر کی رات کے آٹھ بجے قومی محاذِ آزادی کے جانبازوں نے اس کیمپ پر دستی بموں سے حملہ کیا۔ ٹرک کے پرخچے اڑ گئے۔ اور بیشتر ٹینٹوں کو آگ لگ گئی۔ اس آگ میں دشمن کے کئی سپاہی جھلس گئے، اور پانچ آدمی بری طرح زخمی ہو گئے۔ ان زخمیوں کو بذریعہ ہیلی کوپٹر انبالہ چھاؤنی پہنچایا گیا۔

آپریشن تھنڈر

آپریشن لائیٹر کے فوراً بعد ہی بھارتی مقبوضہ کشمیر میں دو ڈویژن فوج مزید بھیج دی گئی۔ بھارتی فوجوں نے جموں کے علاقے میں وسیع پیمانے پر فوجی مشقیں شروع کر دیں اور اس کے علاوہ مشتبہ علاقہ میں حفاظتی اقدامات سخت کر دیئے گئے۔ اس کے علاوہ ۱۶ دسمبر ۱۹۶۹ء کو سرینگر ریڈیو کے رات ۷ بجے والے خبرنامے میں اعلان کیا گیا کہ جموں میں رام گڑھ کے علاقے سے بھارتی سنٹرل ریزرو پولیس نے دو نوجوانوں کو گرفتار کیا ہے جن کے قبضے سے ۲ ٹائم بم، ۵۰۰ روپیہ بھارتی کرنسی اور کچھ لٹریچر بھی برآمد کیا گیا ہے۔ اس کے علاوہ ہندوستان ٹائمز نئی دہلی کی ۶ فروری ۷۰ء کی اشاعت میں مندرجہ ذیل خبر چھاپی گئی۔

گنتی کے چند مجاہدوں نے ایک پوری رجمنٹ کا مقابلہ کیا

"پاکستانی تخریب کاروں کی سرگرمیاں جموں وکشمیر میں بڑھ گئیں"۔

۲۲ فروری ۱۹۶۹ء کو ہندوستان کے وزیرِ دفاع سردار سورن سنگھ نے راجیہ سبھا میں وقفۂ سوالات کے دوران سوالوں کا جواب دیتے ہوئے کہا کہ ہندوستانی حکومت کو مختلف ذرائع سے اطلاعات موصول ہو رہی ہیں، کہ مقبوضہ کشمیر میں پاکستانی ایجنٹ پھر سرگرم عمل ہو گئے ہیں۔

اس اعلان سے چند روز قبل یعنی ۱۹، ۲۰ فروری کو قومی محاذِ آزادی کے حریت پسندوں نے جموں شہر کے فوجی ٹھکانوں پر پے در پے حملے کرکے دشمن کی صفوں میں خوف و ہراس پھیلا دیا تھا۔ ان دو دنوں کی کارروائی کا خفیہ نام آپریشن تھنڈر رکھا گیا تھا۔ کیونکہ اس کی کڑک نہ صرف جموں کے گرد و نواح میں سنی گئی۔ بلکہ اس سے بھارتی پارلیمان اور دہلی میں بھارتی فوج کے جنرل ہیڈ کوارٹر میں بھی افراتفری مچ گئی۔

چھبیسویں ڈویژن کا ہیڈ کوارٹر

بھارتی فوج کی دشمن کی ۲۶ ویں ڈویژن کا ہیڈ کوارٹر حریت پسندوں کے حملے کا پہلا نشانہ بنا۔ یہ ہیڈ کوارٹر جموں کے ریشم گھر کے عقب میں واقع ہے۔ یہاں رات کے ڈیڑھ بجے بھارتی فوج کے اسٹاف کرنل کے این راؤ کے دفتر کی عمارت کو اڑا دیا گیا۔ دھماکے سے عمارت کی چھت زمین بوس ہو گئی۔ کھڑکیاں، الماریاں اور دیواریں ملبے کے ڈھیر میں تبدیل ہو گئیں اور آفس میں موجود تمام ریکارڈ جل کر خاک ہو گیا۔ اس کے علاوہ ڈویژن کمانڈر کا دفتر جو اسٹاف کرنل کے این راؤ کے دفتر سے ملحق تھا، کو نقصان پہنچا۔ ان دونوں دفتروں کی مشترک دیواریں زمین بوس ہو گئیں۔ اور ڈویژن کمانڈر کے دفتر کی کھڑکیاں اور روشندانوں کے پرخچے اڑ گئے۔ عمارت پر بھارتی فوج کی مسلح گارڈ کے تین سپاہی حریت پسندوں کے ساتھ جھڑپ میں بری طرح زخمی ہوئے۔ رات کے تین بجے ڈویژن کمانڈر بمعہ دیگر اعلیٰ فوجی افسران موقع پر پہنچا۔ اس کے فوراً بعد ۵/۱۱ گورکھا رجمنٹ حفاظت کے لئے وہاں پہنچی۔ اس رجمنٹ نے پورے علاقے کو گھیرے میں لے لیا۔ لیکن ایک بھی حریت پسند ہاتھ نہ آیا۔

اسٹیشن کمانڈر کے دفتر پر حملہ

۲۰ فروری کو طلوعِ آفتاب کے ساتھ ہی دہلی میں بھارتی فوج کے جنرل ہیڈ کوارٹر سے ملٹری ڈائریکٹر آف انٹیلی جنس حالات کا جائزہ لینے کے لئے جموں پہنچا اور ملٹری ہسپتال میں گارڈ کے زخمی سپاہیوں سے بھی ملا۔ رات کے نو بجے عین اس وقت جب بھارتی فوج کے اعلیٰ افسر اپنی میس (MESS) میں ڈنر کھا رہے تھے۔ جموں شہر کے قریب ستواری چھاؤنی ایک زبردست دھماکے سے لرز اٹھی۔ اس دفعہ حریت پسندوں کا نشانہ اسٹیشن کمانڈر رمیش کمار رانا کا دفتر تھا۔ یہ اسٹیشن ہیڈ کوارٹر جموں چھاؤنی میں ایک اسکول کے سامنے واقع تھا۔ اس دفتر کو ڈائنامیٹ کے ذریعے اڑا دیا گیا۔ یہ دفتر بالکل تباہ و برباد ہو گیا، اور اس میں موجود تمام ریکارڈ بھی خاکستر ہو گیا۔ اس حملے میں دشمن کے جانی نقصان کی کوئی اطلاع نہیں مل سکی۔ اسٹیشن کمانڈر رمیش رانا موقع پر بذاتِ خود پہنچا۔ اس دلیرانہ حملے کے بعد دشمن نے تمام علاقے میں فوج کو ہر وقت ہوشیار و چوکس رہنے کا حکم دے دیا۔

آزاد کشمیر کی حکومت
نے مقبول احمد بٹ
کو "مجرم" گردانتے
ہوتے انہیں رسوائے
زمانہ دلائی کیمپ
میں نظر بند کر دیا

۱۶۲ بریگیڈ پر حملہ

ابھی دشمن اپنے تازہ نقصانات کا اندازہ ہی لگا رہا تھا کہ دوسری رات کو تین بجے کے قریب حریت پسندوں نے بھارتی غاصب فوجوں کے ایک سو باسٹھویں بریگیڈ کی ستارہویں گرنیڈیر یونٹ کی بیرکوں پر حملہ کر دیا۔ یہ بیرکیں ستواری کے مشرق میں واقع ہیں۔ ایک بھارتی فوجی پریم ناتھ شرما جو حفاظت پر مامور تھا۔ موقع پر ہی ہلاک ہو گیا۔ اس کے علاوہ اس جھڑپ میں بارہ بھارتی سپاہی بُری طرح زخمی ہوئے۔ ان کو بریگیڈ ہسپتال میراں صاحب لے جایا گیا۔ حریت پسند یہ حملہ کر کے آناً فاناً رات کی تاریکی میں غائب ہو گئے۔ دشمن ابھی اپنے زخموں کو اٹھا ہی رہا تھا کہ پندرہ منٹ بعد اسی یونٹ کے ٹرکوں میں بم پھٹنے شروع ہو گئے جس کے نتیجے میں دشمن کی دو جیپیں اور ایک ٹرک بالکل تباہ ہو گیا اور اردگرد کھڑی کئی گاڑیوں کو آگ لگ گئی۔ اس غیر متوقع حملے اور پھر بموں کے پھٹنے سے دشمن میں سخت دہشت پھیل گئی۔ اور یونٹ کے سپاہیوں نے افراتفری کے عالم میں اِدھر اُدھر بھاگنا شروع کر دیا۔ ۲۱ فروری کو دہلی سے بھارتی فوج کے جنرل ہیڈ کوارٹر سے چیف آف جنرل اسٹاف بھی جموں پہنچ گیا۔

آپریشن کنوتیاں

پونچھ شہر کے نواح میں ایک چھوٹا سا قصبہ ہے۔ اس کے نزدیک دشمن کا ملٹری سپلائی کا ڈپو واقع تھا۔ اس سپلائی ڈپو کے ساتھ ہی دشمن ANIMAL TRASPORT یا A.T کی یونٹ تھی۔ اس سپلائی ڈپو کے اردگرد پختہ دیوار تھی۔ جس کے اوپر خاردار تار تھے۔ اس کی حفاظت کے لئے ۱۲۲۔ مدراس رجمنٹ کے مسلح سپاہی متعین کئے گئے تھے اس سپلائی ڈپو کی چھتیں ٹین کی چادروں سے بنی ہوئی تھیں۔ اسی ملٹری سپلائی ڈپو۔ تھوڑی دور نیچے ایک سڑک گزرتی ہے۔ یہ سڑک پونچھ شہر کو چیلاس اور پھر مینڈھر سے ملاتی ہے۔ چیلاس بھارتی فوج کا بریگیڈ ہیڈ کوارٹر بن گیا ہے یہاں۔

آپریشن تھنڈر نے بھارتی حکومت کے ایوانوں کو ہلا دیا

بھارتی فوجوں کی بڑی چھاؤنی ہے۔ اور اس میں ایک فوجی ہوائی اڈہ بھی ہے۔ جہاں صرف ہیلی کاپٹر اُتر سکتے ہیں مندکرہ بالا سپلائی ڈپو سے کچھ فاصلہ پر مذکورہ سڑک پر ایک پل تھا۔ یہ پل ایک نالہ پر بنایا گیا تھا۔ یہ نالہ سیہرہ سیلاں نیال نالہ سے نکل کر پونچھ دریا کی طرف جاتا ہے اور اس سے نیچے پونچھ دریا پر بند باندھ کر ایک نہر نکالی گئی ہے۔ یہ نہر جلاس کی طرف جاتی ہے۔

جموں کشمیر قومی محاذِ آزادی کی متعلقہ کمان کے سپرد یہ کام کیا گیا، کہ وہ اس سپلائی ڈپو اور فوجی اہمیت کے اس پل کو تباہ کر دے۔ چنانچہ ۲۱ جولائی کی رات کو ہمارے مجاہد پل پر جمع ہوئے۔ رات کے گیارہ اور بارہ بجے کے درمیان کا وقت تھا۔ پل پر ابتدائی کارروائی کی گئی اور مجاہد ڈپو پر لگ گئے گئے اور ان کو حکم تھا کہ جونہی سپلائی ڈپو میں دھماکہ ہو وہ پل اُڑانے کی کارروائی کریں۔ اس کے بعد دوسرا ٹروپ سپلائی ڈپو میں خاردار تار کاٹ کر اور دیوار پھلانگ کر اندر داخل ہوا۔ اندر صحن کا کچھ حصہ سیمنٹ کا بنا ہوا ہے۔ نشانہ ایک بڑی بیرک تھی جس کے دو حصے تھے۔ ایک حصہ کھانے پینے کا راشن تھا اور دوسرے حصے میں گولہ بارود پڑا تھا۔ سامنے کے برآمدے میں ۱۲۲۔ مدراس رجمنٹ کے دو مسلح سپاہی پہرہ دے رہے تھے اور قریب کے گارڈ روم میں لالٹین جل رہی تھی۔ بیرک کے عقب میں دو روشندان تھے۔ جن کے باہر جالی لگی ہوئی تھی۔ اسے کاٹ دیا گیا۔ اس کے اندر لوہے کی سلاخیں تھیں ایک مجاہد نے پہلے روشن ہوٹر میں اور دوسرے نے اسلحہ خانے میں آتشیں بم پھینکے۔ اور خود دیوار پھلانگ کر رات کی تاریکی میں غائب ہو گئے۔ وہ تھوڑی دور ہی گئے ہوں گے کہ زبردست دھماکہ ہوا اور سپلائی ڈپو پورے کا پورا آگ میں جلنے لگا۔ چھتیں اڑ گئیں اور ایک دیوار ساتھ والے باربرداری (A.T. UNIT) کے خیموں پر جا کر گری۔ ہماری اطلاع کے مطابق سپلائی کے دونوں محافظ موقع پر ہی ہلاک ہو گئے اور دیوار گرنے سے (A.T. UNIT) کے کئی سپاہی ہلاک اور کئی بُری طرح زخمی ہو گئے۔ ہمارے مجاہد جب جائے وقوع سے آ رہے تھے ان کا سامنا ایک بھارتی فوجی گشتی دستے سے ہوا۔ جس پر گرنیڈ پھینکا گیا اس سے اس دستے کو خاصا جانی نقصان ہوا۔ اسی گرنیڈ کے ایک ٹکڑے سے ایک مجاہد کو معمولی زخم آیا۔

اسی دن رات کے دس بجے پونچھ مینڈھر روڈ پر مینڈھر سے آٹھ میل دور واقع گولاد گاؤں کے قریب ایک بارودی سرنگ مینڈھر بریگیڈ ہیڈ کوارٹر کی جیپ کے پہیے تلے آ کر پھٹی جس کے نتیجے میں جیپ کا سامنے والا بایاں پہیہ بالکل تباہ ہو گیا جیپ کا انجن ٹوٹ پھوٹ

جن سنگھیوں کے اس خفیہ اڈے میں دہشت پسندوں کو تربیت دینے کے علاوہ آتشزنی کے منصوبے بھی تیار کئے جاتے تھے۔

گیا اور جیپ میں بیٹھے ہوئے دو سپاہی بُری طرح زخمی ہوئے اور اس طرح سے چار اکتوبر کا دن بھارتی ڈنڈوں کے لئے ایک بُرا دن ثابت ہوا۔

سب کمانوں کو حکم دیا گیا ہے کہ وہ اپنے اپنے علاقے میں اس فرقہ پرست مسلمان دشمن تحریک کے خفیہ اڈوں کا پتہ چلائیں اور ان کو تباہ کر دیں۔ اسی سلسلے میں متعلقہ کمان نے سب سے پہلے پونچھ شہر میں اس خفیہ اڈے کا پتہ چلایا۔ یہ اڈہ پونچھ شہر میں واقع سورن بازار وسیع و کشادہ عمارت میں واقع تھا۔ اس عمارت کے مالک دو ہندو تھے، جو خفیہ طور پر جن سنگھ کے زبردست حامی تھے۔ اس خفیہ اڈے میں دہشت پسندوں کو تربیت دینے کے علاوہ آتشزنی کے منصوبے تیار کئے جاتے تھے۔

یکم نومبر کی رات کو اس اڈے پر حملہ کرنے کے لئے چن لیا گیا۔ کام بہت خطرناک تھا کیونکہ پونچھ شہر میں دریا کے پل پر ہر شخص سے شناختی کارڈ مانگا جاتا تھا۔ اور اس کی تحقیقات کی جاتی تھی۔ اس کے علاوہ شہر میں رات کے وقت فوج اور پولیس گشت کرتی رہتی تھی۔ اس بازار سے شہر کی بڑی سڑک گزرتی ہے اور آگے جا کر اس کی ایک شاخ مینڈھر اور دوسری منڈی چلی جاتی ہے۔ بھارتی تشدد پسندوں کے اس مرکز کی عمارت پختہ تھی اور اس کے کئی کمرے تھے۔ سورن بازار شہر کے کنارے پر واقع ہے۔ رات کے نو بجے اس عمارت پر دو جگہ بارود لگایا گیا۔ اس سے پہلے کہ بارود کو آگ دکھائی جاتی بھارتی فوج کی گشتی جیپ بازار سے گزری۔ مجاہدین نے بازار سے ملحقہ گلیوں میں پوزیشن لے لی۔ دریں اثنا وہ جوان جو بارود کے پاس کھڑا تھا اس نے بارود کو آگ لگا دی اور اس کے بعد یہ جوان وہاں سے فرار ہوا بھارتی فوجیوں نے اس جوان کو دوڑتے دیکھا، لہٰذا وہ جیپ کو تیزی سے اس جگہ کی طرف لائے۔ ان کے پیچھے پیچھے کچھ فوجی جوان بھی دوڑے۔ ابھی وہ اس عمارت سے تقریباً تیس گز دور تھے کہ جیپ کو کھڑا کر دیا گیا۔ سورن بازار سے بالکل ملحقہ ایک پہاڑی ہے اور مجاہدوں نے اس اثنا میں بازار سے نکل کر پہاڑی پر چڑھنا شروع کر دیا تھا۔ یہ جیپ جس جگہ پر کھڑی ہوئی وہ اس سے ۱۰۰ گز اوپر کی طرف سے۔ وہاں سے انہوں نے ہینڈ گرنیڈ پھینکے، جو ٹھیک نشانے پر لگے۔ جس سے جیپ تباہ ہو گئی اور کئی بھارتی فوجی ہلاک و زخمی ہو گئے۔ ابھی وہ اسی چکر میں تھے کہ بلڈنگ میں زبردست دھماکہ ہوا اور دشمن دونوں طرف نرغے میں آ گیا۔ اس کو دیکھتے ہوئے دشمن نے ایل۔ ایم۔ جی کا فائر کھول دیا۔ اس فائر کے تیسرے برسٹ میں ایک مجاہد شہید ہوا۔ جسے وہاں چھوڑنا بھی خطرناک تھا۔ لہٰذا اس کو بھی اٹھا لیا گیا۔ اس کے بعد بازار میں شور مچ گیا اور مجاہدین اپنے شہید ساتھی کو اٹھاتے ہوئے اپنے خفیہ ہیڈ کوارٹر میں پہنچ گئے۔

جموں و کشمیر قومی محاذ آزادی کی ان ہی کامیابیوں سے گھبرا کر بھارتی حکومت نے محاذ کی سیاسی تنظیم جموں و کشمیر محاذ رائے شماری کو غیر قانونی قرار دے دیا، لیکن ان حربوں سے حریت پسندوں کے جذبۂ آزادی کو نہیں کچلا جا سکتا۔ قومی محاذ آزادی کے جیالوں کی بندوقوں کی نالیوں سے گولیاں نکل نکل کر آزادی کی منزل کو قریب سے قریب تر لا رہی ہیں۔ اور وہ دن دور نہیں جب جموں و کشمیر بھارتی غاصبوں کے چنگل سے آزاد ہوگا۔

نوعِ انسانی کے ارتقاء۔ بوالہوس طبقات کی بالادستی، انسان پر انسان کے جبر و تشدد کی کہانی — ۱

ہر دور میں استحصالی اقلیت نے اکثریت پر ظلم کئے

سابق ایئر کموڈور، ایم۔ کے۔ جنجوعہ

ہزاروں صدیوں میں نوعِ انسان نے ارتقاء کی جو منازل طے کی ہیں۔ اُن کے نتائج بیک وقت دلفریب، دلچسپ، حیرت انگیز اور خوشنما بھی ہیں اور بھیانک، گھناؤنے، اندوہناک اور درد و کرب سے اَٹے بھی پڑے ہیں۔ مثبت پہلوؤں نے انسان کے جذبات احساسات، تصورات اور کمالات کو اَوجِ ثریا پر جا بٹھایا ہے تو منفی پہلوؤں نے اُسے ذلالت، حماقت اور حیوانیت کی عمیق ترین گہرائیوں میں جا گرایا ہے۔ اس کی شرافت پر فرشتے رشک کریں۔ لیکن اس کی قباحت کو دیکھ کر ابلیس بھی شرم سے سر جھکا دے۔ اول الذکر قسم انسانوں کی بہت بڑی اکثریت پر مشتمل ہے اور مؤخر الذکر بہت تھوڑی اقلیت پر۔ نوشتۂ تاریخ نے گذشتہ پچاس ساٹھ صدیوں کی ارتقا پر قدرے روشنی ڈالی ہے۔ لیکن ہزارہا صدیوں قبل کے فاصلے کو طے کرنے کے لئے جب انسان کی ابتداء کی طرف رُخ کیا جائے تو تاریکی بتدریج بڑھتی جاتی ہے۔ اندھیرے میں چراغ کے سہارے ایک لامحدود بیابان میں دھندلے آثار اور نشانات سینکڑوں اور ہزاروں برسوں کے فاصلے پر جا کر ملتے ہیں۔ کہیں شکستہ صراحی تو کہیں کرم خوردہ قبا۔ کہیں فراعنہ کے تابوت، تو کہیں، پتھر کے اوزار اور ازمنہ قدیم کے ماحول و سماج۔ رسوم و رواج کی بابت قیاس آرائیاں مزید جستجو کی دعوت دیتی ہیں۔ حقیقی معنوں میں ازمنہ قدیم کی انسانی تاریخ کا انمول خزانہ کرۂ ارض میں مدفون ہے اور زمین اسے ایسے حاسدانہ طور پر آغوش میں لئے ہوئے ہے جیسے بوالہوس طبقات دنیاوی دولت پر پھن مارے بیٹھے ہیں۔ لیکن اب انسان اپنی ارتقا کی اس منزل کے بہت قریب پہنچ چکا ہے۔ جبکہ زمین کو اور اس کی گود میں کنڈل مارے استحصالی ناگوں کو اپنے اپنے خزائن اگل دینے پر مجبور کر دے گا۔

نوعِ انسان کے ذہن کی نشو و نما ازل سے جاری ہے اور زندگی کے کروڑوں، اربوں تجربات اس میں سمیٹے ہوئے ہیں۔ یہ سلسلہ جاری رہے گا اور اس کی معلومات میں بتدریج اضافہ ہوتا جائے گا۔ جس کی کوئی حد مقرر نہیں کی جا سکتی اپنے ماضی بعید کی تلاش، اس کا تصور اور مستقبل قریب و بعید کی بابت جائزے اور قیاس آرائیوں میں مسلسل کامیابی و کامرانی یقیناً انسان کے نصیب میں ہے۔ بظاہر یہ بیان شاید متناقض معلوم ہو۔ تاہم یہ حقیقت ہے کہ جوں جوں انسان اپنی ابتدا سے دور جائے گا خواہ وہ تاریکی کے کتنے پردے اوڑھے ہو وہ اس سے نسبتاً زیادہ آگاہ ہوتا جائے گا۔ کیونکہ نئے حالات، تجربات و آلات کی بنا پر اس کی معلومات بڑھتی جائیں گی۔ مثلاً فراعنہ مصر کی تاریخ و تمدن بیس صدیوں سے زائد عرصہ تک تہ ریگ زار رہی۔ انیسویں اور بیسویں صدی میں جا کر دورِ جدید کے انسان نے انہیں پھر ایک بار سورج کی روشنی سے آشنا کیا۔ حالانکہ فراعنہ کے جاہ و جلال۔ شان و شوکت اور ان کا مخصوص تہذیب و تمدن تقریباً چالیس صدیاں قبل از مسیح (یعنی آج سے چھ ہزار برس پہلے) سے لے کر مسیحی دور کی ابتدا تک رائج رہے۔ لیکن ہزاروں سال انسان ان کی حقیقت حیثیت و نوعیت سے نسبتاً ناآگاہ رہا۔ اسی طرح دیگر قدیم اقوام کی تہذیب و تمدن کے آثار رفتہ رفتہ سامنے آ رہے ہیں۔ مثلاً صرف مشرقِ وسطیٰ اور بحیرۂ روم کے کنارے واقع ممالک میں ہی بابل، اسیریا (ASSYRIA) کلدان۔ مائیسینیا (MYCENA) ایران، یونان اور روم کے عہدِ عروج کے نشانات سطحِ ارض کے اوپر کھنڈرات کی شکل میں اور سطحِ زمین کے نیچے بھی دریافت کئے جا چکے ہیں۔ جو بڑی حد تک محفوظ ہیں اور ان کا مطالعہ کیا جا رہا ہے۔ براعظم ایشیا۔ یورپ۔ شمالی و جنوبی امریکہ۔ افریقہ اور آسٹریلیا میں اسی نوعیت کی دریافت سے وہاں کی مخصوص تہذیب کی نشاندہی ہوتی ہے۔ مثلاً پاکستان میں گندھارا اور موہنجوداڑو ہیں تو وسطی و جنوبی امریکہ میں مایا (MAYA) انکا (INCA) اور ایزٹک (AZTEC)۔

تاحال جو کچھ دریافت ہوا ہے اس کی بے پناہ اکثریت محلات۔ قلعجات۔ معابد۔ مورتیوں۔ تصاویر اور دیگر ایسی اشیاء پر مشتمل ہے جو جاہ و جلال شان و شوکت کی عکاسی کرتی ہیں۔ یعنی یہ انسان کی ارتقاء کی سینکڑوں صدیوں کا وہ حصہ ہے جس میں اقلیت نے اکثریت پر فوقیت حاصل کر کے اسے شدید ترین استحصال کا شکار بنایا۔ اور اپنی شان و جلال۔ عیش و عشرت کو قائم کر کے برقرار اور جاری رکھنے کے لئے نئے نئے عذر تراشنے۔ کسی نے سورج کو معبود بنایا تو کسی نے بیل کو۔ کسی نے گرجتے بادلوں و کڑکتی بجلی کو تو کسی نے ناگ کو اور کوئی خود خدائی کا دعویدار ہوا۔ لیکن بلاشک و شبہ نتیجتاً ایک نہایت ہی قلیل اقلیت نے ہمیشہ، صرف اور قطعی اپنے مفاد کی خاطر اکثریت کو مرعوب کیا۔ کبھی سورج کی شان میں معابد بنوائے تو کبھی بیل کو سونے میں ڈھلوایا۔ کبھی فلک بوس مینار تعمیر

ظل اللہ و ظلِ سُبحانی جیسے القاب انسان پر انسان کی فوقیت کی انتہا تھے

کروائے تو کبھی لات و عزیٰ و منات تر شوائے۔ غرضیکہ مصنوعی اور عیارانہ فوقیت کے بل پر عوام کی ہر صلاحیت اہلیت، ہنر و قابلیت کو اپنے آرام و آسائش، عیاشی اور نفس پرستی کے اسباب مہیا کرنے کے لئے استعمال کیا۔ یا تو معابد اور قلعجات نے ان کے محلات یعنی جائے تعیش کا کام دیا۔ یا معابد کے سائے میں محلات نے خرابات کی شکل دھاری۔ بوالہوس اقلیت نے صرف اور قطعی اپنی ہوس کی خاطر انسان کی اپنی تخلیق کو ہی انسان کے خالق و رزاق کی حیثیت دے دی۔ استحصال، استبداد اور باطل پرستی کا سلسلہ قائم کیا اور جاری رکھا حتیٰ کہ باطل اور اس سے پیدا شدہ مصنوعی فوقیت کو مکمل طور پر اور ہمیشہ کے لئے مٹا دینا اور مکمل مساوات کو برقرار کرنا فرض کر دیا گیا۔ لات و عزیٰ و منات یعنی مصنوعی برتری کی علامات کو صفحہ دہر سے مٹا دیا گیا تاکہ انسان پر انسان کی فوقیت کی بنیاد اور وسائل کی جڑ ہی ختم ہو جائے اور روئے زمین پر انسان پر انسان حکومت نہ کر سکے۔ لیکن کیونکہ بوالہوس طبقات کا قطعی قلع قمع نہ ہو سکا اس لئے انہوں نے موقعہ پا کر اقلیت کی برتری کو پھر منوا کر اپنا نظام رائج کر دیا۔ جہاں ادوار تاریک میں ان کے آبا و اجداد نے لات و عزیٰ و منات کے نام پر استبداد و استحصال کیا تھا۔ وہاں اب انہوں نے خالق حقیقی کے نام میں نوع انسان کے بدترین رواج یعنی ذاتی مفاد کو جائز کر دیا۔ پھر وہی محلات اور اسباب تعیش، وہی فلک بوس مینار، وہی زیورات اور ہزارہا ایسی علامات، پھر وہی خطابات۔ ظل اللہ و ظل سبحانی یعنی انسان پر انسان کی فوقیت اور اس کے تسلط کی انتہا، پھر وہی امتیاز جس کو مٹانا اہم ترین فرض قرار دیا گیا تھا۔ اسے عوام پر مسلط کر دیا گیا۔ اب وہی سلسلہ صدیوں سے جاری ہے۔

جو معلومات آثار قدیمہ سے حاصل ہو رہی ہیں اور جو تی زمانہ تجربہ ہے ان سے انسان کی ارتقا کا بدترین پہلو استحصال برائے ذاتی مفاد ہمارے سامنے آتا ہے اسے مٹانے کی سعی کی گئی لیکن یہ قباحت پھر عود کر آئی۔ اب استحصال پسندوں اور استحصال دشمنوں میں تصادم کا ایک دور شروع ہے جو فیصلہ کن ہو گا۔ اور دنیا کے عوام استحصال کا نام و نشان مٹا کر ہی دم لیں گے۔

لیکن بارہا یہ سوال ذہن میں اٹھتا ہے کہ اس قبیح رواج کی ابتدا کب اور کیسے ہوئی؟ جس نے نوع انسان کی اکثریت کو ہزاروں صدیوں سے ناگفتہ بہ حالات کے شکنجے میں جکڑ رکھا ہے۔ جس کی وجہ سے انسان ہر نوع کے مظالم کا شکار رہا ہے اور اب بھی تک ہے۔ نوشتہ تاریخ ان حالات، واقعات علامات اور انسان کے عقل۔ علم و ہنر کے ماحصل سے بھرپور ہے۔ جن کی بنیاد استحصال یعنی اقلیت کی مفاد پرستی ہے۔ تاہم حقائق کا متلاشی انسان گردش ایام کو پیچھے ہی پیچھے دوڑانے میں ہمہ تن مشغول ہے۔ تاکہ اسے بعید ترین ماضی کی بابت علم حاصل ہو سکے۔ اس جستجو میں باوجود تاریکی اور تہذیب سوزی و غارتگری، تباہی و بربادی کے یہ معلوم ہو سکا ہے کہ نوع انسان ارتقا کے ایسے مرحلے سے بھی گزری ہے کہ جس میں تمام انسانی گروہ کے افراد باہمی اور اجتماعی مفاد میں بھی اپنی اپنی اہلیت، قابلیت، علم و ہنر کو بروئے کار لائے تھے۔ ہر فرد کی ذہنی و جسمانی طاقتیں گروہ کی اجتماعی خوشحالی، خوشنودی اور تفریح کی خاطر وقف تھیں۔

ملعون تھا وہ اِنسان
جس نے پہلی بار
اپنی جسمانی یا
ذہنی صلاحیت
اپنے مفاد کے
لئے استعمال کی

کسی فرد کو ذہنی یا جسمانی برتری کی بنا پر دوسروں پر ترجیح نہیں تھی۔ نہ ہی اس کی جانب سے یہ مطالبہ تھا۔ بلکہ فی زمانہ بھی چند انسانی گروہ ہیں جو اکثر خوراک کی قلت کا شکار رہتے ہیں۔ لیکن ان کا کوئی فرد بھی دوسروں کو بھوکا چھوڑ کر خود خوراک کا استعمال نہیں کرتا۔

ملعون تھا وہ انسان جس نے سب سے پہلے اپنی جسمانی یا ذہنی صلاحیت کو اپنے ذاتی مفاد کی خاطر استعمال کیا۔ یہ معلوم کرنا ممکن نہیں کہ اس نے کونسا حربہ استعمال کیا۔ جسمانی برتری کا یا ذہنی عیاری کا، اس نے اپنے رفقا کو خوفزدہ کیا۔ یا حیرت زدہ کیا۔ مرعوب کیا یا محفوظ کر کے اپنا ذاتی مفاد پورا کیا۔ اور ہوس کی بنیاد رکھی۔ کسی نہ کسی ایسے طریقے سے وہ اس فعل کا مرتکب ہوا جس نے عوام کی آنے والی لکھوکھہا نسلوں پر ظلم و ستم۔ جبر و استبداد، درد و کرب کے وہ بند کھول دیئے جو اب کروڑوں اربوں انسانوں کی لاشوں سے رو کے جا رہے ہیں۔ اس ملعون انسان کے کسی ایک معمولی عمل یا عیاری نے حرص کے جو جراثیم پیدا کئے وہ انسانیت کے لئے بدترین وبا کا موجب بنے۔ ان سے جاگیرداری۔ سرمایہ داری ملوکیت۔ سامراجیت۔ آمریت۔ فسطائیت جیسے خونخوار وحشی نظاموں نے جنم لیا۔ اس نے ہوس پرست اقلیت کے منفی جذبات کو اس قدر شدید کر دیا کہ وہ آج اپنے مفاد کے لئے ہمارے سیارے کو بھی لاہوت میں ریزہ ریزہ کرنے اور اربوں انسانوں کو نیست و نابود کرنے کے امکانات کو سوچتے ہیں اور وہ بھی اپنی نام نہاد نسلی۔ روحانی، سیاسی اور اخلاقی "برتری" اور اس کے "تحفظ اور بقا" کے لئے اس نے مصنوعی فوقیت و برتری کی ایک ایسی مثال قائم کی کہ استحصالی اقلیت نے اسے پشت در پشت زندگی کے ہر شعبے میں زیادہ سے زیادہ مفاد حاصل کرنے کی خاطر ہزارہا بار اور لاتعداد مختلف اشکال میں استعمال کیا۔ استحصالیوں میں ہوس بتدریج بڑھتی گئی اور استحصال کے نت نئے طریقے ایجاد کئے گئے۔ کیونکہ استحصال کسی نہ کسی قسم کی فوقیت و برتری ثابت کئے بغیر ممکن نہیں اس لئے بوالہوس اقلیت نے ہمیشہ اپنی فوقیت کے لئے بے شمار روپ دھارے اور کرۂ ارض پر ان کی اقسام

بوالہوس طبقات دولت پر کنڈلی مارے بیٹھے ہیں

ان گنت ہوگئیں۔ غرضیکہ انسانی جسم کے مختلف حصوں کی نمائش۔ نوشت وخواند۔ خوراک۔ پوشاک۔ اٹھنے بیٹھنے۔ بولنے۔ سننے۔ دیکھنے کے طریقے اور دیگر انسانی حرکات اور ضروریات کو انوکھے یا غیر معمولی حلیوں میں پیش کرکے برتری کا باعث بنایا۔ اور استحصال کی خاطر استعمال کیا۔

استحصالی اقلیت نے مذکورہ مصنوعی فوقیت کو قائم کرنے اور جاری رکھنے کے لئے جو حربے استعمال کئے ان سب میں زیادہ دخل عیاری کو ہے۔ اپنے مقصد میں کامیابی کے لئے ان کے فعل و قول میں جو خاصیتیں ہوتی ہیں ان میں تعجب خیز۔ حیرت انگیز۔ اجنبی۔ غیر معمولی پراسرار۔ ہیبت ناک۔ غرضیکہ ہر وہ کچھ ہونا ضروری ہوتا ہے جو انسان کو متاثر اور مرعوب کرسکے۔ جو عوام کے اذہان میں الجھن۔ ہیجان۔ فکر۔ احساس گناہ اور ایسی قباحتیں پیدا کردے جن کے سلجھانے کے لئے اور جن سے نجات حاصل کرنے کے لئے انہیں عیار اقلیت کا محتاج ہوکر انہیں کی طرف رخ کرنا پڑے۔ معمولی سے معمولی انسانی مسئلہ کو انتہائی پیچیدہ بنا دیا جاتا ہے تاکہ عوام اس کے حل کو اپنے بس سے باہر سمجھیں۔ گذشتہ ہزاروں صدیوں کے دوران استحصالی۔ استبدادی و ظالمانہ اقلیت نے دنیا کے عوام کو فریب میں مبتلا کرکے مسائل کو اس قدر پیچیدہ کردیا ہے کہ نوع انسانی ہر قسم کی تقسیم کا شکار ہوکر رہ گئی۔ اقوام۔ ممالک۔ مذاہب۔ نسل۔ رنگ۔ زبان۔ ان سب کی بنا پر فوقیت کے دعووں کی دیواریں کھڑی کردی گئیں۔ فوقیت کی ان دیواروں کو قائم کرنے۔ انہیں گرانے اور وسعت دینے۔ انہیں قطعی مسمار کرنے اور ان کے دفاع میں انسان نے انسان کے خون کی ندیاں بہائیں۔ کشت و خون۔ غارت گری اور ہر نوعیت کے انسانیت سوز افعال کا مرتکب ہوا۔

لیکن ہر طرح کی فوقیت یا برتری مصنوعی ہے۔ انسان سے انسان کی تفریق بے بنیاد اور اقلیت کی اختراع ہے۔ انسانوں کے قدرتی اور جسمانی خدوخال کا مطالعہ کیا جائے۔ ان میں صرف مشابہت ہی نہیں بلکہ یکسانیت و مطابقت بھی نظر آئے گی۔ دنیا میں ایسا کوئی رقبہ نہیں جہاں کے باشندوں کے بنیادی جسمانی حصے کسی دوسرے علاقے کے باشندوں سے مختلف ہوں۔ مثلاً انسانوں کا کوئی ایسا گروہ نہیں جسے تین چار یا زیادہ آنکھوں۔ ہاتھوں۔ ٹانگوں۔ کانوں سے نوازا گیا ہو۔ یا جن کا ایک سے زیادہ سر ہو۔ یا دانت ہوں۔ غرضیکہ ان کے جسم کا کوئی حصہ یا عضو دوسرے انسانوں سے مختلف نہیں۔ دنیا کے ہر حصے کے انسانوں کے کھانے۔ پینے۔ سانس لینے۔ سونے جاگنے۔ تولید یعنی کہ نوع انسان کی بقا کی تمام ضروریات ایک جیسی ہیں۔ دنیا کے کسی گوشے کے انسان کو کاٹیں تو لال خون ہی نکلے گا۔ کہیں بھی نیلا خون نہیں نظر آئے

> **وہ آج اپنے مفاد کے لئے ہمارے سیارے کو بھی لاہوت میں ریزہ ریزہ کرنے اور اربوں انسانوں کو نیست و نابود کرنے کے امکانات پر سوچتے ہیں**

گا۔ کاٹنے سے درد ہی محسوس ہوگا۔ رونے پر آنسو ہی بہیں گے۔ بھوک و پیاس کی شدت یکساں محسوس ہوگی۔ قدرت کے وسیع ترین کارخانے میں انسان کو انسان پر برتری کہیں بھی حاصل نہیں۔ البتہ موسم مختلف ہونے کی وجہ سے چند ضروریات زندگی ضرور مختلف ہوں گی۔ گرمی اور سردی کی کمی یا زیادتی کی وجہ سے پوشاک۔ جائے پناہ یا رہائش ضرور مختلف ہوں گی۔ خوراک اپنے اپنے علاقے کی پیداوار کے مطابق ہوگی۔ دوسرے الفاظ میں انسانی گروہ اپنی بقا اور بچاؤ کے لئے حالات کے تحت اشیاء ایجاد کرلیتے ہیں۔ تاکہ گرمی اور سردی، دھوپ، بارش، ہوا، بھوک اور پیاس وغیرہ کی شدت سے محفوظ رہ سکیں۔ تاکہ زندگی دوبھر نہ ہو۔ اور وہ زیادہ دیر تک قائم رہ سکے۔ مختصراً یہ کہ تمام انسانوں میں جسمانی طور پر کوئی فرق نہیں۔ اور جسم کو زندہ اور صحت مند رکھنے کے لئے بھی بنیادی ضروریات میں کوئی فرق نہیں۔

جب اس پہلے فاسد انسان نے ذاتی غرض کے لئے کسی انوکھے طریقے سے سود حاصل کیا تو مصنوعی فوقیت کے دروازے کھلنے شروع ہوگئے۔ وقت گذرنے کے ساتھ ساتھ افراد اور گروہوں نے اپنے اپنے مفاد کی خاطر انسان کے جسم اور اس کی ہر ایجاد اور تخلیق کو مصنوعی برتری کے لئے استعمال کیا اور انسانیت کو متعدد طبقات میں تقسیم کردیا انسانی ذہن کو ایسی الجھنوں اور نفسیاتی امراض میں مبتلا کر دیا کہ جس کے عذاب کے سامنے جہنم کی آگ بھی سرد معلوم ہو۔ لیکن وہ تمام تفرقات اور تمام برتری قطعی مصنوعی ہے اور بالکل واضح طور پر مفاد پرستوں کی ایجاد ہے۔ انسان کے جسم کے مختلف حصوں کو لیا جائے تو سر سے پاؤں تک کے مختلف حصوں کو مختلف انسانوں اور انسانی گروہوں نے اپنی اپنی برتری ثابت کرنے میں استعمال کیا ہے، لیکن ان کے دعوے اس قدر متضاد ہیں کہ وہ ہرگز ہرگز درست نہیں ہوسکتے۔ عقل حیران رہ جاتی ہے کہ ہم نے انہیں کیونکر قبول کرلیا۔ ان کی لاتعداد مثالیں ہیں۔ اگر ایک انسان یا گروہ سر کے تمام بال مکمل طور پر صاف کرکے فوقیت کا دعویدار ہے تو دوسرا تمام بال مکمل طور پر محفوظ رکھ کر اپنے آپ کو برتر کہلاتا ہے۔ کوئی سر کے سب بال صاف کرکے لیکن ایک حصے میں چند بال اُگا کر اپنی برتری کا دعویدار ہے تو کوئی سر کے سب بال ہموار تراش کر ایک حصے کے بال استرے سے بالکل اترواکر فوقیت حاصل کر رہا ہوتا ہے۔ دوسرے الفاظ میں ایک چوٹی رکھ کر اپنے آپ کو برتر بتاتا ہے تو دوسرا اتنے ہی رقبے میں بال بالکل صاف کرکے بہتر کہلاتا ہے۔ خواہ دونوں کے سروں کو باقی تمام بال برابر ہوں۔ حتی کے ریش اور مونچھوں کو لمبا رکھنے، چھوٹا کرنے، بالکل صاف کرنے، نصف صاف کرنے وغیرہ میں فوقیت کا ثبوت پیش کیا جاتا ہے۔ گویا کہ انسان پر انسان کی فوقیت

مفاد پرستوں نے انسانی مسائل کو انتہائی پیچیدہ بنا دیا ہے

کا انحصار سر اور چہرے کے بالوں کی لمبائی یا صفائی، موجودگی یا غیر موجودگی یا نیم موجودگی وغیرہ پر ہے، لیکن یہ تو قطعی اور صریحاً مصنوعی فرق ہے۔ اگر تمام انسان اپنے سر اور چہرے کے بال بڑھنے دیں یا بالکل تراش دیں تو وہ یکساں ہیں، تو اگر ان میں سے چند لوگ معمول، عام رجحان یا رواج کے خلاف بال بڑھا لیں یا تراش لیں یا کسی خاص شکل میں تراشیں تو کوئی وجہ نہیں کہ انہیں باقی تمام انسانوں سے بہتر سمجھا جاتے۔ اور انہیں کسی طرح کی بھی ترجیح دی جاتے۔ بالوں کے ہونے میں کوئی ایسی خاصیت نہیں کہ جس کی بنا پر سر یا چہرے پر اُگانے والے کو بہتر انسان سمجھا جائے۔ نہ ہی بالوں کے نہ ہونے میں کوئی ایسی خوبی ہے کہ انہیں سر یا چہرے پر سے تراشنے والوں کو برتری حاصل ہو جائے اور نہ ہی بالوں کو کسی خاص تعداد یا شکل میں رکھنے والے کو ترجیح کا حق حاصل ہو سکتا ہے۔ اسی طرح انسان کے جسم کے دوسرے حصوں سے مختلف برتاؤ کو فوقیت کا باعث بنایا گیا ہے۔ جو بے معنی، مہمل اور مصنوعی ہے۔ جیسے کہ بالوں سے برتاؤ ہے۔

اب انسان کی چند ان ایجادوں کا مطالعہ کیا جاتے جو اس کی جسمانی ضروریات پوری کرتی ہیں لیکن جنہیں پھر عیار اقلیت نے اپنے مفاد کی خاطر کسی نہ کسی طرح برتری کا موجب بنا لیا۔ بہترین مثال کپڑے کی ہے۔ یہ انسانی جسم کے مختلف حصوں کو ڈھکنے کے لئے ایجاد ہوا تاہم سر کو ڈھانپنے کے لئے کپڑے کے استعمال کو بھی برتری کا باعث بنا لیا گیا۔ درجنوں قسم کی ٹوپیاں اور پگڑیاں ایجاد کی گئیں ان میں سے تقریباً ہر ایک کو باقی تمام پر فوقیت رکھنے کا دعویٰ کیا گیا، بلکہ یہاں تک کہ کسی ایک کو خاص کپڑے سے بنا کر، خاص شکل دے کر جو بہت عجیب اور غیر معمولی ہو انہیں تقدس کے دائرے میں لایا گیا۔ یعنی انسان کی اپنی ایجاد اُس کے اپنے ذہن کی اختراع کو ہی اسی پر تسلّط قائم کرنے کے لئے استعمال کیا گیا جب کہ حقیقتاً وہ کپڑا ہی ہوتا ہے یا اس کا ہمشکل مادہ ہوتا ہے۔ وہ ہرگز کسی اور کپڑے سے زیادہ کارآمد نہیں ہوتا، لیکن کیونکہ اقلیت نے کہہ دیا کہ وہ کپڑے کا ٹکڑا دوسرے ٹکڑوں پر افضل ہے تو بس اس کی حیثیت مقدس قرار پا گئی۔ اس دعوے

کی تہہ میں جو حکمت کارفرما ہے وہ یہ ہے کہ اول تو وہ خاص قسم کی ٹوپی یا پگڑی ہی صرف ایک خاص اقلیت کے افراد ہی استعمال کر سکتے ہیں اور دوم یہ کہ بقول ان کے وہ ٹوپی یا پگڑی دوسری تمام ٹوپیوں اور پگڑیوں سے برتر ہے تو اسے پہننے والا بھی باقی مختلف ٹوپیاں اور پگڑیاں نہ پہننے والوں سے برتر ہے۔ مثلاً کئی مذاہب کے پیشہ ور پیشوا جس قسم کی ٹوپی استعمال کرتے ہیں۔ وہ عوام استعمال نہیں کر سکتے اور جو کوئی اسے پیشوا کو اُسے اپنے پیشے کے لباس اور ٹوپی پہنے دیکھے گا۔ وہ اس سے مودبانہ طریقے سے پیش آئے گا۔ یہ انسانوں کے اذہان پر ایسے مسلّط کر دیا گیا ہے اور ایسا رواج بن چکا ہے کہ ٹوپی کو دیکھتے ہی اور قطعی غیر شعوری طور پر لوگ ایک خاص قسم کا جسمانی روّیہ اختیار کر لیتے ہیں اور مخصوص الفاظ ادا کرتے ہیں جن میں ایک انسان کا دوسرے انسان پر فوقیت کا اعتراف ہو۔

انسان کے لباس کے اکثر باقی حصوں کو بھی کسی نہ کسی طرح اقلیت نے اپنی فوقیت جتانے کی غرض سے استعمال کیا ہے لیکن بیرونی جامہ مثال کے لئے زیادہ موزوں رہے گا۔ اگر چند مذاہب کے پیشہ ور پیشواؤں کے عام اور خاص مواقع پر جامہ کا مطالعہ کیا جاتے تو جو چیز سب سے زیادہ واضح ہوتی ہے وہ جامے کی شکل اور

اقوام، ممالک

مذاہب، نسل، رنگ

اور زبان کی بنیادوں

پر فوقیت کے دعوؤں

کی دیواریں کھڑی

کر دی گئیں

بناوٹ ہوتی ہے۔ اگر اجتماع یا تمام جمعیت کوٹ پتلو[ن]
میں ملبوس ہوں۔ تو پیشوا ٹخنوں تک لمبے چغے میں ہوتا[...]
اور اسی پر مستزاد یہ کہ اس چغے کا رنگ بھی نمایاں طو[ر]
مختلف ہوتا ہے۔ بس اسی اجنبیت اور عجوبے میں ا[...]
کی فوقیت کا راز مضمر ہوتا ہے۔ اس کے انوکھے پ[...]
کر عوام کے اذہان میں برتری بنا کر انہیں استحصال کا نشا[...]
بنایا جاتا ہے۔ حالانکہ سفید یا رنگین چغہ دوسرے لباس[...]
سے ہرگز زیادہ مفید نہیں ہوتا۔ اس سے انسان کی کو[...]
جسمانی ضرورت پوری نہیں ہوتی جو وقت کا رائج لبا[س]
پوری نہیں کر سکتا۔

اسی طرح رنگ کو بھی استعمال کیا گیا۔ مفاد پر[ست]
افراد اور طبقات نے اپنے لئے مخصوص رنگ کا انتخا[ب]
کر کے اسے دوسرے رنگوں پر ترجیح کا دعوے[...]
اپنے اپنے ماحول کے عوام کو اس کی برتری کا قائل[...]
معتقد بنایا اور اپنے لباس کو رنگ دے کر اپنے آ[پ کو]
عوام پر فوقیت دے دی۔ بالفاظ دیگر اپنے جس[...]
لباس کو عوام کے مختلف شکل، ساخت اور رنگ[...]
پیش کر کے اقلیت کے افراد نے صرف اور قطعی ج[...]
اور انوکھے پن کو فوقیت کا موجب بنایا اور رہر[...]
طریقے کو استحصال کی خاطر استعمال کیا۔

مذکورہ اور ایسے کئی اور طریقوں سے ان نو[...]
گروہوں میں چند افراد یعنی اقلیت نے اپنے م[...]
عوام کے باہمی مفاد پر ترجیح دے کر مفاد پرست طب[قے]
کا آغاز کیا۔ دوسرے الفاظ میں نوع انسان میں ت[...]
تضاد کی بنیاد ڈال دی۔ لیکن ان کے نتائج اس ق[در]
رس ہوئے کہ ان کے بانیوں کے وہم و گمان میں[...]
ہو سکتے تھے۔ حرص و ہوس کے جذبات شدید[...]
گئے۔ حتیٰ کہ بوالہوسی افراد و طبقات تو پہلے[...]
اپنی جگہ مصنوعی و باطل فوقیت کو قائم کر کے عوام[...]
کر رہے تھے۔ اب اس فاسد اقلیت کے چنگل[...]
نوع انسان کے مختلف گروہوں نے ایک دوسر[ے]
برتری اور فوقیت جتانے کا سلسلہ شروع ک[...]
جو تمام نوع انسان کی مشترکہ اور مجموعی ورثہ تھی ا[...]
پیداوار اور وسائل پر ہر ایک کا مساوی حق تھا[...]

اقلیت نے قبضے جما لئے، اقوام، ممالک، مذاہب، نسل رنگ، زبان وغیرہ کی بناء پر نوع انسان لاتعداد ٹکڑوں میں تقسیم ہو گئی، باہمی تعاون کا قلع قمع کر کے انسان کو انسان کا دشمن بنا دیا گیا۔ جنگ وجدل، کشت وخون قتل وغارت، تہذیب سوزی اور ہر نوع کے مظالم سے انسان کی تاریخ لبریز ہے۔ مفاد پرست اقلیت ہی ہمیشہ ان کا موجب بنی۔ اسی نے انسان کی اپنی تخلیق و ایجاد کو ہی انسان کا معبود بنایا۔ انسان کی اختراع کو اور عوام کے ہنر و اہلیت کے ماحصل کو طرح طرح کی علامات میں تبدیل کر کے اوّل تو اکثریت کو ان کی پرستش کا قائل کیا اور پھر اسے انہی بے جان مصنوعات کا ایسے عیّارانہ طریقے سے معتقد بنایا، کہ انسان انفرادی اور مجموعی حیثیت میں اپنے آپ کو ان پر نچھاور یا قربان کر کے نجات کا مستحق سمجھنے لگا۔ مثلاً قومی علم یا پرچم کو ہی دیکھا جائے، تو وہ صرف چند مربع فٹ کپڑا ہوتا ہے۔ جو انسان نے خود بنایا ہے۔ اس پر رنگ انسان نے ہی کیا ہوتا ہے۔ اسی پر مختلف اشکال۔ الفاظ وغیرہ کی کشیدہ کاری انسان کی مرہون منت ہوتی ہے۔ غرضیکہ اس میں کوئی چیز یا خاصیت نہیں ہوتی، جو انسان کے اپنے ذہن کی پیداوار نہ ہو۔ لیکن ہزارہا برسوں سے انسانی گروہوں نے اپنے قومی پرچم، یعنی چند مربع فٹ کپڑے کے "وقار کو محفوظ رکھنے کے لئے جانیں قربان کر دیں، محض اس لئے کہ جس اقلیت نے زمین کے ٹکڑے ٹکڑے کر کے اپنے مفاد کی خاطر مخصوص کر لئے تھے۔

اسی اقلیت نے اپنا قبضہ جمائے رکھنے کے لئے ایک کپڑے کے ٹکڑے کو تقدیس کی حیثیت دے کر عوام کو لڑ مرنے پر آمادہ کر لیا۔ عوام نے غیر شعوری طور پر اقلیت کے مفاد کو قومی یعنی عوامی مفاد سمجھنا شروع کر دیا، اور ایک علامت یعنی کپڑے کے پرچم کو سامنے رکھ کر حقیقتاً ایک اقلیت کی جائیداد، ملکیت اور اس کے مال ومتاع کے تحفظ میں جانیں دینے پر آمادہ ہو گئے۔

انسانی زندگی کا کوئی ایسا شعبہ نہیں جسے مفاد پرست اقلیت نے اپنی فوقیت اور استحصال کو قائم کرنے، برقرار رکھنے، وسیع اور شدید کرنے کے لئے استعمال نہ کیا ہو۔ انسانی جسم اور لباس اور قومی پرچم کے علاوہ انسان کی دیگر سینکڑوں تخلیقات کو بھی اسی ضمن میں استعمال کیا۔ انسان سینکڑوں قسم کی عمارتیں بناتے ہیں وہ ان کے ہاتھوں سے تعمیر ہوتی ہیں لیکن اقلیت کے کہنے پر چند عمارتوں کو مخصوص شکل دے کر دوسروں پر فضیلت دے دی جاتی ہے۔ انسانوں کے اکثر گروہوں نے ایک خاص شبیہ کی عمارت کو دوسری عمارتوں سے برتر قرار دیا ہے، لیکن ہر گروہ کی برتر عمارت شکل وشباہت میں دوسرے گروہوں کی برتر عمارت سے مختلف ہوتی ہے اور ہر گروہ کا دعویٰ ہوتا ہے کہ اس کی افضل عمارت دوسرے تمام گروہوں کی افضل عمارتوں پر فوقیت رکھتی ہے۔ اس پر مستزاد یہ کہ ہر گروہ کا دعویٰ ہوتا ہے کہ خالقِ حقیقی کو انہی کی عمارت سب سے زیادہ پسندیدہ ہے اور جو کچھ اس کے اندر کہا یا کیا جاتا ہے وہی انسان کی نجات کا باعث ہو سکتا ہے۔ گویا کہ خالقِ حقیقی انسان کی بنی ہوئی چند دیواروں وغیرہ کا محتاج ہے۔ نہیں ہرگز نہیں۔ جو لامکان ولامحدود

ایک کپڑے کے ٹکڑے کو

تقدس کی حیثیت دے کر

عوام کو لڑ مرنے پر آمادہ کر لیا

عوام نے غیر شعوری طور پر اقلیت کے

مفاد کو قومی مفاد سمجھنا شروع کر دیا

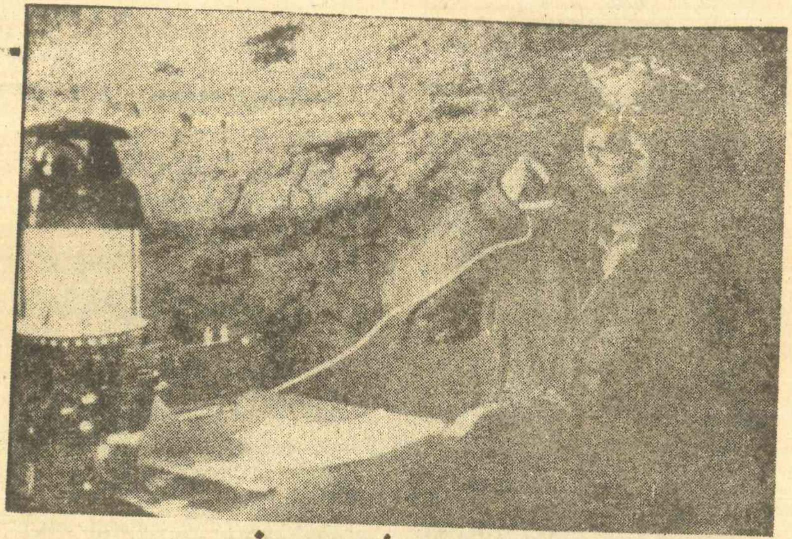
ہے اس کے لئے مکان اور حدود مقرر نہیں کئے جا سکتے عوام کی تعداد اور وسعت ابھی تک انسان کے قیاس سے باہر ہے اور اسے ہندسوں میں بیان کرنا ممکن نہیں تو رب العالمین کو چند گز زمین پر تعمیر شدہ عمارت تک محدود نہیں کیا جا سکتا، لیکن اگر ایسی عمارتیں تعمیر نہ کی جاتیں اور انہیں اپنی اپنی جگہ برتری نہ دی جاتے، تو پیشہ ورانہ مذہبی پیشوائی کا خاتمہ ہو جاتا ہے۔ اگر یہ اقلیت ختم ہو جاتے تو دوسری اقلیتیں خطرے میں پڑ جاتی ہیں، اس لئے استحصالی طبقات باہمی تعاون پر مجبور ہو جاتے ہیں مثلاً مسیحی ممالک کے تاجروں اور پیرانِ کلیسا میں شدید تصادم رہا۔ لیکن وہ تصادم محض اقتدار اور عوام کو استحصال کا نشکار بنانے کی اجارہ داری حاصل کرنے کی خاطر تھا۔ اور اس مقصد کے حصول میں وہ یکساں طور پر ظالم تھے۔ لیکن تعاون یوں کر لیا کہ ایک نے روحانیت کی اجارہ داری لے لی اور دوسرے نے ظلِ سبحانی کا خطاب لے لیا۔ یہ ایک حربہ ہوتا ہے جو مخلص عوام کو مطیع ومرعوب کرنے کی خاطر استحصالی طبقے عمل میں لاتے ہیں۔ اسلام میں پیشہ ورانہ مذہبی پیشوائی قطعی ممنوع ہے، تاہم ایک اقلیت نے اسلامی تعلیمات کے مفہوم کی اجارہ داری کا دعویٰ کر کے مذہبی پیشوائی کو پیشہ بنا لیا حالانکہ عبادت کا انتخاب افرادِ ملت کے مجموعی فیصلہ سے ہی ہونا چاہیئے، اور امام بھی صرف اسلامی تعلیمات کے علم کی بنا پر ہی ہو سکتا ہے لیکن اس کا با روزگار ہونا ضروری ہے۔ دوسرے الفاظ میں امامت اس کا پیشہ نہیں ہو سکتا، لیکن اس معاملے میں اسلام میں دینی قیادت پر قبضہ جما کر اور اسے ایک پیشہ کی حیثیت دے کر مذہبی پیشواؤں نے کلیسا اور مسجد کا فرق مٹا دیا۔ بجائے مخلص مسلم عوام کی روحانی ضروریات کو پورا کرنے کے انہیں اسلام کی بنیادی تعلیمات سے ہٹا کر اور توہم کی الجھنوں میں پھنسا کر اپنے حلوے مانڈے کو محفوظ کر لیا، اور استحصالی طبقات کی مفاد پرستی پر دینی مباح کی مہر ثبت کر کے ان کا تعاون حاصل کر لیا۔ اپنی فوقیت ایک قطعی بے بنیاد دعوے کے ذریعے جمائی یعنی اپنے طبقے کو "دیندار طبقہ" کہا۔ گویا کہ باقی کروڑوں مخلص مسلمان عوام "دیندار" کہلانے کے مستحق نہیں۔

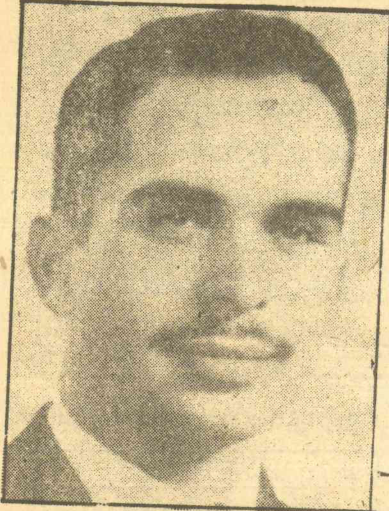
انسانوں کی اپنی عقل وہنر، اہلیت وقابلیت سے جو کچھ بھی تخلیق اور ایجاد ہوا۔ اسے مفاد پرست اقلیتوں نے اپنی مصنوعی فوقیت میں استعمال کیا۔ دلفریب، خوشنما اور حیرت انگیز کشیدہ کاری کی تو وہ ملوک اور مرشدان خود بین کے چغوں، اور کلاہ جات کی زینت کے کام آئی، اپنے ہنر اور محنت سے تاج، انگشتری، مالا اور دیگر زیورات بنائے۔ جو حکومت واقتدار کی علامات بن کر استبداد کی شکل ہی خود عوام پر ہی حاوی ہو گئے اور مارِ آستیں کی طرح اپنے خالق ومحسن کو بار بار ڈسا۔

"اسکندر و چنگیز کے ہاتھوں سے جہاں میں
سو بار ہوئی حضرتِ انسان کی قبا چاک"

مختصر یہ کہ اقلیت یعنی مفاد پرست طبقات نے ہمیشہ عوام کو ان کی اپنی ہی عقل وہنر ومحنت کی پیداوار کا تابع بنایا۔ یہ عیاری کی انتہا تھی۔ (باقی آئندہ)

۵ فروری گزر گئی لیکن مشرقِ وسطیٰ میں کوئی دھماکہ نہیں ہُوا





اُردن کے موشے دایان نے

حریت پسندوں کی پیٹھ میں چھرا گھونپ دیا ہے

عباس رضوی

۵ فروری گزر گئی لیکن مشرق وسطیٰ میں امن کی نام نہاد فضا پہلے کی طرح سسک رہی ہے اور اس کے ساتھ مقبوضہ علاقوں کے فلسطینی امریکہ کے پروردہ اسرائیل کے ہاتھوں جبرو تشدد کے نئے ذائقے چکھ رہے ہیں۔ اردن میں بسنے والے فلسطینیوں کا بھی یہی حال ہے۔ اپنوں کے ہاتھوں حریت پسندی کی سزا پا رہے ہیں۔ اس کے ساتھ ہی عرب کے نامور حکمران امن کے ترانے گنگناتے ہوئے عالمی امن کے قیام کی راہیں استوار کرنے میں مصروف ہیں۔

۵ فروری اسرائیل اور عرب ممالک کے درمیان جنگ بندی کی مدت ختم ہونے کی تاریخ تھی۔ لیکن اس روز بھی مشرق وسطیٰ کی فضاؤں نے اسرائیل کے خلاف بندوق اٹھتی دیکھی اور نہ ہی اس کی نالی سے نکلی ہوئی کسی گولی کی آواز سنی۔ امن و آشتی کے خود ساختہ عالمی پیمبر اس تاریخ کو بہت پہلے بھانپ چکے تھے۔ ان کے ایلچی اس تاریخ سے پہلے ہی امن — کا شور کرتے عرب ممالک کی طرف بھاگ کھڑے ہوئے تھے۔ اور اقتصادی و فوجی امداد کا دباؤ ڈال کر اپنی امن پسندی کا بھرم رکھوانے کی تگ و دو میں مصروف تھے۔

امن پسندوں کی یہ کوششیں رنگ لائیں چنانچہ ۴ فروری کی شام کو انورالسادات نے اعلان کر دیا کہ حکومت مصر نے جنگ بندی کی مدت میں ایک ماہ کی توسیع منظور کر لی ہے۔ رہ گئیں دوسری عرب حکومتیں اگر ان میں اخلاقی جرأت ہوئی تو مصر کی طرح وہ بھی آج کل میں قبول یابی کا اعلان کر دیں گی ورنہ خاموش رہیں گی۔ لیکن یہ تمام باتیں ہمارے لئے غیر متوقع نہیں۔ موجودہ عرب حکومتوں سے ہمیں یہی امید تھی کہ وہ تحریری طور پر نہ سہی تو عملی طور پر جنگ بندی کی مدت میں توسیع کر دیں گی۔ ہمارے لئے اگر کوئی غیر متوقع بات ہے تو وہ فلسطینی حریت پسندوں کی خاموشی ہے۔

کیا فلسطینی عوام نے بھی جنگ بندی کی مدت میں کسی قسم کی توسیع قبول کر لی ہے۔ اگر نہیں تو پھر فلسطینی حریت پسندوں کی توپوں کا رخ تل ابیب کی طرف کیوں نہیں مڑتا اور امید کی یہ چنگاری بھڑک کر آزادی پسند عرب عوام کو ایک ایسی آگ کیوں نہیں بناتی جو آزادی کی راہ میں آنے والی رکاوٹوں کو راکھ بنانے پر قدرت رکھتی ہو؟

فلسطینی چھاپہ ماروں کی توپوں کا رخ تل ابیب کی طرف کیسے مڑ سکتا ہے۔ جبکہ امریکی سامراج کے ایما پر امریکی رجعت پسندوں نے ان پر جنگ ٹھونپ دی ہے اور انہیں دفاعی جنگ لڑنے پر مجبور کر دیا ہے۔ صورت حال کا یہ رخ ہمیں ان فلسطینی حریت پسندوں کی مجبوریوں کا ماتم کرنے پر مجبور کرتا ہے۔ جن کی پیٹھ میں اردنی موشے دایان' شاہ حسین مسلسل چھرے گھونپ رہا ہے۔

یہ امریکی سامراجیوں کی ایک دیرینہ خواہش تھی کہ اردنی رجعت پسند حلقوں کو اس بات کے لئے آمادہ کر سکے کہ وہ فلسطینی حریت پسندوں کے خلاف ایک طویل فوجی کارروائی کا آغاز کر دیں۔ انہوں نے اپنی اس خواہش کو عملی جامہ پہنانے کی پہلی کوشش ستمبر کے اوائل میں کی جو ناکام گئی۔ لیکن اس ناکام کوشش سے انہوں نے

امریکہ نے گوریلوں کے خاتمہ کے لئے اُردن کو فوجی امداد دی ہے

یہ سبق حاصل کیا کہ اردنی رجعت پسندوں کو اپنے دام میں گرفتار کرنے کے لئے اقتصادی اور فوجی نوعیت کی رشوت دینی پڑے گی۔

چنانچہ امریکہ کے دفاعی امور کے سکریٹری ڈیوڈ پیکارڈ نے ۲۵ ستمبر کو اپنا نیا جال پھینکا اور اعلان کیا کہ فلسطینی چھاپہ ماروں کے خلاف حالیہ فوجی جھڑپوں میں اردنی افواج نے جو نقصانات اٹھائے ہیں امریکہ کی حکومت ان نقصانات کو پورا کرنے کے بارے میں غور کر رہی ہے۔ ڈیوڈ پیکارڈ اس کے ساتھ ہی یہ گرہ بھی لگائی کہ "فلسطینی چھاپہ ماروں کی بڑھتی ہوئی سرگرمیوں کے پیش نظر اردنی افواج کی کارکردگی کو موثر بنانا ضروری ہو گیا ہے۔" امریکہ کے سیکرٹری برائے امور دفاع کے اس بیان کے فوراً بعد مورخہ ۲۶ ستمبر کو صدر نکسن نے اعلان کر دیا کہ اردنی افواج کو پہنچنے والے حالیہ نقصانات کو پورا کرنے کے لئے حکومت امریکہ نہ صرف رضامند ہو گئی ہے، بلکہ اس نے اردن کو فوری طور پر ۵۰ ڈالر کی فوجی امداد دینے کا فیصلہ بھی کر لیا ہے۔ صدر نکسن کی طرف سے یہ اعلان ہوتے ہی امریکی باربردار طیارے اور بحری جہاز فوجی سازوسامان سے لد کر عمان کے بحری اڈہ اور عقبہ کی بندرگاہ پہ پہنچ گئے۔

تنظیم آزادی فلسطین کے سربراہ یاسر عرفات نے اس فوجی سازوسامان کو دیکھتے ہی پیشین گوئی کر دی تھی کہ "شاہ حسین کی حکومت امریکی سامراجیوں کے ایماء پر فلسطینی عوام کے خلاف بھاری پیمانہ پر فوجی کارروائی کرنے کا منصوبہ بنا رہی ہے۔"

اس واقعہ کے فوراً بعد اردن کے شاہ حسین نکسن سے ملنے کے لئے واشنگٹن روانہ ہو گئے۔ نکسن اور شاہ حسین کے درمیان جو گفتگو ہوئی وہ زیادہ تر فلسطینی چھاپہ ماروں کے گرد گھومتی رہی۔ مصر کے مشہور روزنامہ الاحرام کے مطابق ایک خفیہ ملاقات کے دوران شاہ حسین نے نکسن سے کہا کہ فلسطینی چھاپہ ماروں کے خلاف بھرپور فوجی کارروائی کرنے کے لئے اردنی فوج کی موجودہ قوت میں اضافہ کرنا پڑے گا۔ امریکہ کی حکومت اس معاملہ میں سنجیدہ ہے تو وہ ۲۰ کروڑ ڈالر کی فوجی امداد دے۔ چنانچہ صدر نکسن نے شاہ حسین سے ملاقات کرنے کے بعد امریکی کانگریس کا اجلاس بلایا اور اس اجلاس سے خطاب کرتے ہوئے کہا کہ فلسطینی چھاپہ ماروں کی بڑھتی ہوئی سرگرمیاں مشرق وسطیٰ کے پرامن تصفیہ کی یکسر نفی کرتی ہیں۔ اس مسئلے کا پرامن حل تلاش کرنے کے لئے لازم ہو گیا ہے کہ چھاپہ ماروں کو سختی کے ساتھ دبا دیا جائے۔ فلسطینی چھاپہ ماروں کو دبانے کے لئے حکومت اردن نے جو اقدامات کئے ہیں حکومت امریکہ ان سے پوری طرح مطمئن ہے نیز امریکہ کی حکومت یہ چاہتی ہے کہ اردنی افواج کی کارکردگی کو موثر بنانے کے لئے ۳ کروڑ ڈالر کی فوجی امداد دے۔

امریکی کانگریس سے منظوری حاصل کرنے کے بعد نکسن کی حکومت نے ۱۱۰ بکتر بند گاڑیاں، ۴۵ پیٹن ٹینک اور ۱۸ لڑاکا طیارے اردن کی حکومت کو بھیجے۔

صرف یہی نہیں بلکہ امریکی فوجی افسروں، مشیروں اور ماہرین کی ایک بہت بڑی تعداد بھی اس وقت امریکہ میں موجود ہے۔ اور براہ راست ان فوجی کارروائیوں میں حصہ لے رہی ہے۔ جو کہ فلسطینی حریت پسندوں کے خلاف جاری ہیں۔

ان واقعات کے مطالعہ سے صاف پتہ چلتا ہے کہ اردن کی حکومت نے فلسطینی مجاہدین کے خلاف جو فوجی کارروائی شروع کی ہے۔ اس کا منصوبہ امریکی سامراج نے تیار کیا ہے۔ ان فوجی کارروائیوں سے امریکہ نے کئی فائدے حاصل کئے ہیں۔ فلسطینی عوام اور اسرائیلی رجعت پسندوں کے درمیان جو تضاد تھا وہ دب کر اب ثانوی حیثیت اختیار کر گیا ہے جبکہ فلسطینی عوام اور اردنی رجعت پسندوں کے مابین پائے جانے والے تضاد کو بنیادی حیثیت حاصل ہو گئی ہے۔ مشرق وسطیٰ میں تضادات کے درمیان مقامات کی اس تبدیلی سے فلسطینی عوام کی توپوں کا رخ تل ابیب کی طرف پھرنے سے رہ گیا ہے۔ لیکن کب تک؟ فلسطینی عوام۔ نہ صرف فلسطینی عوام، بلکہ اردن کے عوام بھی اس حقیقت سے پوری طرح واقف ہیں۔ کہ اردنی حکمران امریکی سامراج کی حاشیہ برداری کرنے پہ اتر آئے ہیں۔ وہ دن دور نہیں جبکہ اردنی عوام امریکی سامراج کے حاشیہ برداروں کا تختہ الٹ ڈالیں گے۔ کون ہے جو پھر فلسطینی حریت پسندوں کو تل ابیب کی طرف رخ کرنے سے روک سکے.....



ڈائنز کلگ کی سالگرہ کی تقریب میں مہمان خصوصی بیگم صوفیہ کمال تقریر کر رہی ہیں۔



بھٹو مصطفیٰ جتوئی کے ساتھ

کراچی سے ڈھاکہ (۱)



مغربی پاکستان مشرقی پاکستان سے ملنے جاتا ہے

محمود شام

یہ مسافر ایک اہم مشن پر جا رہے ہیں۔

۲۷ جنوری ۱۹۷۱ء - ۹ بجے کی ڈھاکہ پرواز۔

ایک یادگار پرواز ہے۔ کراچی ایئرپورٹ پر صبح سے ہی اخبار نویس پیپلز پارٹی کے کارکن اور رہنما جمع ہونے لگے ہیں۔ ہمیں بھی آج بہت جلد جاگنا پڑا ہے۔ الطاف رانا اپنے "ہتھیاروں" سمیت ٹیکسی میں صبح سویرے لینے آ پہنچے۔ رختِ سفر بندھ چکا تھا۔ سردیوں کی دھوپ میں لوگ اس تاریخ ساز سفر کے لمحے گن رہے ہیں۔ یہ سابق میجر جنرل اکبر خاں ہیں۔ یہ سیکرٹری جنرل جے اے رحیم ہیں۔ میر اعجاز علی خاں تالپور آ رہے ہیں۔ ان کے بعد میر علی احمد تالپور، میر رسول بخش تالپور بھی دکھائی دے رہے ہیں۔ قاسم پٹیل صاحب بھی آ گئے ہیں۔ ان کے ساتھ الّو بھائی ہیں۔ ان کے حلقے کے پیپلز پارٹی کے کارکن انہیں رخصت کرنے آئے ہیں۔ ایک گاڑی رکی ہے۔ اس میں عبدالحفیظ پیرزادہ۔ مولانا کوثر نیازی بھٹو صاحب کے ساتھ آتے ہیں۔ تاریخ ساز سفر کا لمحہ قریب آ رہا ہے۔ وی آئی پی لاؤنج کی طرف جاتے ہوئے رستے میں جناب غلام مصطفیٰ جتوئی سے بھی ملاقات ہو گئی ہے۔ وہ بھی ہم سفر ہیں۔ مخدوم محمد زماں طالب المولیٰ ۔ اور ان کے صاحبزادے مخدوم محمد امین فہیم ۔ بھی اس پرواز سے جا رہے ہیں۔ یہ انور علی نور ہیں سرگودھا سے رکن قومی اسمبلی ۔ ملتان سے نواب صادق حسین قریشی اور ناصر رضوی ۔ بھی ساتھ ہیں۔ سید سعید حسن، اپنی بیگم کے ہمراہ چل رہے ہیں۔ وی آئی پی لاؤنج میں آئی اے خاں اقبال قریشی نے اے پی پی کے لئے بھٹو صاحب سے تاثرات لینے شروع کر دیئے ہیں۔ بھٹو صاحب نے اپنا وہی عزم دہرایا ہے کہ میں افہام و تفہیم کے مشن پر جا رہا ہوں۔ میں ڈھاکے میں پریس کانفرنس سے خطاب کروں گا۔ سب لوگ دعاؤں اور امیدوں کے ساتھ رخصت کر رہے ہیں۔ یہ مغربی پاکستان ۔ مشرقی پاکستان سے بات کرنے جا رہا ہے۔ یہ اکثریت کا احترام ہے اس اصول کو مغربی اور مشرقی پاکستان دونوں بازوؤں کے عوام نے منوایا ہے۔ مغربی پاکستان کی بڑائی ہے کہ وہ اس میں کوئی ہیٹی محسوس نہ کرتے ہوتے فراخدلانہ طور پر مشرقی پاکستان سے گلے ملنے جا رہا ہے۔ پرواز تیار ہے کی آواز آئی ہے۔ اس جہاز کو کیپٹن غنی صاحب لے کر جا رہے ہیں۔ جو اس مشن کی اہمیت کے باعث خاص طور پر اس پرواز کے لئے مامور کئے گئے ہیں۔ مختلف مسافروں کو مختلف نشستیں ملی ہیں۔ بھٹو صاحب اپنی نشست سے اٹھ کر اپنے ہم سفروں سے ملنے آئے ہیں۔ مولانا کوثر نیازی نے بھٹو صاحب سے ان کے بہنوئی کے اچانک انتقال پر اظہار تعزیت کیا ہے۔ بھٹو صاحب رات بھر اس صدمے سے سو نہیں سکے ہیں۔ میر علی احمد تالپور بھی ہماری کلاس میں بیٹھے ہیں اکانومی کلاس۔ شیخ رشید۔ مولانا کوثر نیازی۔ حیات محمد تیسر پاؤ۔ اتنے بڑے جہاز میں اندازہ بھی نہیں ہوتا کہ کون کہاں بیٹھا ہے۔ میاں عارف افتخار بھی نظر آ رہے ہیں۔ ایک مسافر اس جہاز میں زیڈ اے سلہری بھی ہیں۔ حق مغفرت کرے عجیب آدمی ہیں۔ رنگ بدلنا کوئی ان سے سیکھے۔ نوائے وقت کے زیڈ اے سلہری، امروز کے زیڈ اے سلہری، ایوب خاں کے زیڈ اے سلہری، پاکستان ٹائمز کے زیڈ اے سلہری، جماعت اسلامی کے شہید الطاف حسن قریشی کے زیڈ اے سلہری۔ "زندگی" کے زیڈ اے سلہری اور اب پھر پاکستان ٹائمز کے زیڈ اے سلہری۔ جو آٹھ روز سے کراچی میں مقیم، بھٹو صاحب سے ملنے کی کوشش میں تھے۔ اور اب جہاز میں ان کے ساتھ بیٹھنے کے جتن میں مصروف۔ کہہ رہے ہیں کہ یہ نہایت اہم مشن ہے۔ اور اس ڈر سے کہ کہیں ہمارا ڈھاکے کا نمائندہ "مس رپورٹنگ" نہ کرے۔ اس لئے میں خود آیا ہوں۔ اللہ اللہ احساس فرض ہو تو ایسا۔

یہ بھی نکس اپ والوں میں سے ہیں۔ جہاز میں بھی لوگ سیاسی موضوعات میں الجھے ہوتے ہیں۔ پاکستان کی حدود سے نکلنے کے بعد اب ہم بھارت کے علاقے پر سے پرواز کر رہے ہیں۔ ہیں اس وقت



مسٹر بھٹو ڈھاکہ روانہ ہونے سے قبل کراچی ایئرپورٹ پر

بنگلہ دیش میں پیپلز پارٹی کے سہ رنگے پرچم (۳)

مولانا کوثر نیازی سے انٹرویو کر رہا ہوں۔ اناؤنسر بتا رہا ہے کہ ہم جبل پور سے گزر رہے ہیں۔ خبر نہیں جبل پور ہم سے کتنے میل نیچے ہے۔ زمین اس وقت بادلوں کی اوٹ میں ہے۔ بادل روئی کے گالوں کی طرح اڑ رہے ہیں۔ شاعری کے زمانے میں یہ بادل بہت اچھے لگتے اور شاید ایک آدھ شعر بھی کہلوا لیتے۔ لیکن سیاست اور صحافت کہیں کا نہیں رہنے دیتیں۔ شاعرانہ رگ کو پھڑکنے ہی نہیں دیتیں۔ ہم اپنے ہی وطن کے ایک ایسے حصے میں جا رہے ہیں جو جغرافیائی طور پر تو ہم سے دور ہے ہی لیکن ہمارے کچھ افسروں، کچھ سرمایہ داروں نے اپنے استحصال اور ظلم و تشدد سے انہیں ہم سے بہت دور کر دیا ہے۔ مسائل اگرچہ دونوں بازوؤں کے ایک سے ہیں عوام بھی ایک سی پریشانیوں میں گرفتار ہیں۔ لیکن استحصال نے اجنبیت کی ایک دیوار کھڑی کر دی ہے۔ اس لئے سیاسی مسائل ایک ہونے کے باوجود دونوں بازوؤں میں جیتنے والی سیاسی پارٹیاں مختلف ہیں۔ سیاسی پارٹیوں کے حساب سے دونوں بازوؤں میں یکسانیت نہیں ہے۔ لیکن پھر بھی سب لوگ پر امید جا رہے ہیں۔ کیونکہ عوام ایک ہیں عوام کے مسائل ایک ہیں۔ ان کا حل ایک ہے۔ مل بیٹھیں گے۔ ملک کی سلامتی سامنے ہوگی۔ مستقبل سامنے ہوگا۔ تو مفاہمت کی راہ نکل ہی آئے گی۔

پیپلز پارٹی کی ہائی کمان۔ مغربی پاکستان کا سیاسی مستقبل، اس جہاز میں ہے۔ راستہ بھارت پر سے گزر جاتا ہے۔ بھارت سے گزرنا پڑتا ہے۔ یہ مشکل جانے کب تک ہے۔ جہاز بادلوں کے اوپر سے پرواز کرتا اب کلکتہ پر سے اڑ رہا ہے۔ خنکی بڑھتی جا رہی ہے۔ ڈھاکہ نزدیک آ رہا ہے ایسے بھیگے موسم میں بہت کم کپتان جہاز اتارتے ہیں۔ لیکن کپتان غنی ایسے موسم میں جہاز اتارنے میں نام رکھتے ہیں۔ جہاز بھیگ رہا ہے۔ بادل جہاز سے اوپر چلے گئے ہیں۔ مشرقی پاکستان دکھائی دینے لگا ہے۔ ڈھاکہ کی جھونپڑیاں اور بنگلے نظر آ رہے ہیں۔ بوڑھی گنگا بھی لہریں مار رہی ہے مغربی پاکستان، مشرقی پاکستان سے گلے ملنے کو بے تاب ہے۔ تیج گاؤں ایئرپورٹ ہمیں بلا رہی ہے۔

مشرقی پاکستان — عوامی لیگ کے بنگلہ دیش میں جہاز کی کھڑکی سے پیپلز پارٹی کا سہ رنگا پرچم نظر آ رہا ہے۔ بادل چھائے ہوئے ہیں۔ بھیگا ہوا موسم، ایئرپورٹ پر پیپلز پارٹی کے سہ رنگے پرچم، کارکنوں کے سروں پر سہ رنگی ٹوپیاں۔ ایئرپورٹ کی بالکونیوں اور چھتوں پر سہ رنگے بینر۔ سر ہی سر دکھائی دے رہے ہیں۔ ہم تو سوچ رہے تھے کہ نہایت خاموشی اور اطمینان سے ایئرپورٹ پر اتریں گے۔ زیادہ سے زیادہ اخبار نویسوں سے ملاقات ہوگی۔ اور اس کے بعد ہوٹلوں میں چلے جائیں گے۔ ایک ہجوم استقبال کے لئے آیا ہوا ہے۔ مشرقی پاکستان، مغربی پاکستان کا استقبال کر رہا ہے۔ جہاز لینڈ کر چکا ہے! الطاف "دانا" اپنے کیمرے سمیت کھڑکی پر پہنچ گیا ہے ابھی سیڑھی لگنے میں دیر ہے۔ ایئرپورٹ کی فضا استقبالیہ دھنوں سے گونج رہی ہے۔ بینڈ باجے والے پیپلز پارٹی کی سہ رنگی ٹوپیاں پہنے مغربی پاکستان کا خیر مقدم کر رہے ہیں۔ بھیگا، بھیگا سماں، بینڈ کی دھنیں پیپلز پارٹی کے رنگ — امید افزا ماحول ہے۔ نگاہیں شیخ مجیب الرحمٰن کو تلاش کر رہی ہیں۔ مغربی پاکستان ان کے دیش میں آیا ہے۔ لیکن وہ نظر نہیں آ رہے۔ فرسٹ کلاس کے دروازے سے ابھی سیڑھی نہیں لگی۔ لیکن ہجوم اس دروازے کی طرف رینگ رہا ہے۔ کھڑکی کھل گئی ہے۔ مغربی پاکستان ہاتھ ہلا کر مشرقی پاکستان کے استقبال کا جواب دے رہا ہے۔ ہجوم نے بھٹو کو گھیر لیا ہے۔ اس ہجوم کے ریلے نے بھٹو کو وی آئی پی لاؤنج میں پہنچا دیا ہے۔ حفاظتی انتظامات پر مامور پولیس ہجوم کے آگے بے بس ہے۔ وی آئی پی میں اخبار نویسوں سے زیادہ عام لوگ گھس گئے ہیں۔ اس قدر رش ہے کہ اس سردی میں وی آئی پی روم کے پنکھے کھولنے پڑے ہیں۔

بھٹو صاحب کہہ رہے ہیں کہ "میں پاکستان دیش کے سب سے زیادہ آبادی والے صوبے بنگلہ دیش میں مفاہمت کے مشن پر آیا ہوں۔" وہ یہ بھی کہہ رہے ہیں کہ "حکومت چلانے کے لئے اکثریت ضروری ہے۔ لیکن دستور سازی میں سب کا تعاون ناگزیر ہے۔ میں اور میرے ساتھی، شیخ مجیب الرحمٰن اور ان کے ساتھیوں سے ملیں گے۔ اور ایک دوسرے کے مسائل سمجھیں گے۔" رش



مسٹر بھٹو کراچی سے ڈھاکہ جاتے ہوئے طیارے میں طالب ہولی سے بات چیت کر رہے ہیں۔ پیچھے جناب قاسم عباس پٹیل نظر آ رہے ہیں۔

زیادہ ہے۔ زیادہ بات چیت سننے میں نہیں آ رہی ہے۔ ادھر ہٹ کے دیکھتے ہیں تو طارق عزیز پریشان حال کھڑے ہیں۔ ان کی جیب کٹ گئی ہے۔ ۲۵۰/- روپے نکل گئے ہیں۔ اس کے ساتھ ہی معراج اور اوران کے واپسی کے ٹکٹ بھی چلے گئے ہیں۔ ادھر رحیم صاحب بھی یہی شکوہ کر رہے ہیں ان کے ۷۰۰/- روپے گئے ہیں۔ اور بھی کچھ لوگوں کے ساتھ یہ واردات ہوئی ہے۔ تفصیلات ابھی معلوم نہیں ہو رہی ہیں۔ ایسوسی ایٹیڈ پریس کے نمائندے آرنلڈز ٹیلن اپنا ٹیپ ریکارڈ گم کروا بیٹھے ہیں۔ شکر ہے کہ ٹیپ بالکل صاف تھی ورنہ کسی اور کے ہاتھ Exclusive لگ جاتا۔ اتنے میں قمر الزمان، تاج الدین اور نذر الاسلام صاحب آتے دکھائی دیتے۔ انہیں شیخ صاحب نے بھٹو صاحب کے خیر مقدم کے لئے بھیجا تھا۔ اور یہ دیر سے اب پہنچ رہے ہیں۔ استقبال کرنے والوں کے ہجوم نے اس "سرکاری" استقبالیہ وفد کو بھٹو صاحب تک نہیں پہنچنے دیا۔ رسمی ملاقات ہوئی۔ کیونکہ ابھی اخبار نویس بھٹو صاحب کو نہیں چھوڑ رہے تھے۔ یہیں معراج محمد خاں دکھائی پڑے۔ یہ ایڈوانس پارٹی کے لوگ ہیں۔ مصطفےٰ کھر۔ طاہر محمد خاں، ڈاکٹر مبشر۔ حنیف رامے — طارق عزیز بھی ان کے ساتھ ہی آ گئے تھے۔

وی آئی پی سے نکلے تو گاڑیوں کی دہائی پڑی پڑی ہوئی تھی۔ قاسم پٹیل صاحب کے مشرقی پاکستانی دوستوں نے کچھ گاڑیوں کا انتظام کر رکھا تھا۔ مشکل آسان ہو رہی تھی۔ ہمیں بھی ایک نیلی ٹویوٹا مل گئی۔

ہمیں معلوم ہوا کہ قاسم پٹیل صاحب بھی ساڑھے سات ہزار روپیہ گنوا بیٹھے ہیں۔ یہ مغربی پاکستان کا سب سے بڑا نقصان تھا۔ جو جیب کٹنے کے سلسلے میں واقع ہوا۔ یہیں الطاف رانا سے ملاقات ہوئی جو ہجوم میں تصویریں اتارتے بچھڑ گئے تھے۔ وہ بھی اپنا ایکریڈیشن کارڈ اور ۴۵۰/- روپے کٹوا آئے تھے۔ ہم نے اپنا سامان وصول کیا۔ باہر نکلے تو تیج گاؤں کے ایرپورٹ پر "پنجاب" یاد آ گیا۔ مشرقی پاکستانی بھائی بھٹو کی آمد کی خوشی میں بھنگڑا ڈال رہے تھے۔ بھنگڑا کراچی میں، پشاور میں، کوئٹہ میں، لاہور میں، اور اب ڈھاکے میں بھی —

نیلی ٹویوٹا ہمیں پہلے کانٹی نینٹل لے آئی۔ وہاں کچھ حالات سمجھ میں نہیں آ رہے تھے۔ اس لئے ہم پریس کلب چلے آئے کہ کچھ شناسا صورتیں ملیں۔ یہاں کے جی بھائی سے ملاقات ہو گئی۔ اندر ڈائیننگ ہال سے فیض محمد صاحب کی آواز آئی۔ وہیں سے پتہ چلا کہ عابد زبیری شاہ باغ ہوٹل میں ہیں۔ ہوٹلوں میں کمروں کی دقت تھی۔ کیونکہ آر سی ڈی کے نمائندوں کا رش تھا۔ حاجیوں کا ہجوم تھا۔ مجیب بھٹو ملاقات کی مناسبت سے بہت سے لوگ آئے ہوئے تھے۔ فیض صاحب اپنی پرانی مورس میں ہمیں ساتھ لے گئے اور

باقی صفحہ ۴۲ پر



انسانیت کے ٹھیکیدار اس ظلم پر کیوں خاموش ہیں؟

وہاب صدیقی

امریکی سامراج کی حمایت پر پرتگالی کالونسٹ نے ۲۲ نومبر ۱۹۷۰ء کو اپنے ہزاروں تنخواہ دار مسلح فوجیوں کو بحری راستے سے عوامی جمہوریہ گنی میں داخل کر دیا۔ اس جارحیت کا مقصد گنی کی حکومت کا تختہ الٹ کر سامراج کے سیاہ ترین نوآبادی نظام کے سائے تلے عوام دشمن پٹھوؤں کو برسرِ اقتدار لانا تھا۔ اس مکروہ سازش میں گنی کے کچھ عوام دشمنوں نے بھی سامراج سے ساز باز کر لی تھی، جنہیں گنی کی عوام دوست حکومت نے بے نقاب کر کے ان کے لئے موت کی سزا تجویز کر دی تھی۔ گنی حکومت کے اس فیصلے سے سامراجی کیمپوں میں کھلبلی مچ گئی۔ سامراج کے تنخواہ دار بڑے بڑے جغادری ادیبوں اور دانشوروں کو گنی حکومت کا یہ فیصلہ انسانیت دشمن نظر آیا۔ پوری انسانیت کے ٹھیکیدار ادارے "اقوام متحدہ" کے سیکرٹری جنرل مسٹر اوتھان بھی ان عوام دشمنوں کی ہمدردی میں چلا اٹھے "گنی حکومت کا یہ فیصلہ غلط ہے"۔ یہ عجیب بات ہے کہ سوشلسٹ ملکوں کی ترقی پسند اور عوام دوست حکومتوں کے خلاف سازش کرنے والے جب کبھی قانون کی گرفت میں آتے ہیں تو مسٹر اوتھان سے لے کر سارے تنخواہ دار جغادری سیاست دان اور دانشوران کی حمایت میں چیخنے اور چلانے لگتے ہیں۔ لیکن سامراج کی بہیمیت اور بربریت پر انہیں چپ لگ جاتی ہے۔ ان کا ضمیر انہیں ملامت نہیں کرتا۔ انہیں انسانیت کے مسلمہ اصولوں کے پامال ہونے کا خیال تک نہیں آتا۔

- سامراج نصف صدی سے ویت نام میں انسانوں کے خون سے ہولی کھیل رہا ہے۔
- سامراج لاطینی امریکہ کے خلاف مسلسل سازشیں کر رہا ہے۔
- سامراج افریقہ کے ننگے بھوکے انسانوں کے نیم مردہ جسم سے خون کا قطرہ قطرہ چوس رہا ہے۔
- سامراج جنوب مشرقی ایشیا کے خوبصورت سبزہ زاروں کو فوجی بوٹوں سے روند رہا ہے
- سامراج مشرق وسطیٰ کو تباہی اور بربادی کی ہولناک جنگ کا ایندھن بنا رہا ہے۔
- سامراج مائی لا کے بے بس اور مظلوم عوام کو قتل کر کے انسانی بستیوں کو تاراج کر رہا ہے۔
- مگر

اوتھان انسانیت کا ٹھیکہ اٹھانے والے ادارے کے معزز سیکرٹری جنرل خاموش ہیں۔ سامراج کے حاشیہ بردار، تنخواہ دار دانشوروں، نوبل انعام یافتہ ادیبوں اور شاعروں کو انسانیت کے مسلمہ اصول پامال ہوتے نظر نہیں آتے۔ ان کے مردہ ضمیر سے آہ و فغاں کا ہلکا سا دھواں بھی نہیں اٹھتا۔

چند ہفتے پیشتر کمبوڈیا کا ایک چھوٹا سا شہر مینی امریکی سامراج اور اس کی پٹھو حکومت کی تنخواہ دار سپاہیوں کے لرزہ خیز جنگی جرائم کا عینی شاہد بن گیا۔ کمبوڈیا کے مرکزی سیکٹر پر ویٹ کانگ حریت پسندوں کے تازہ ترین حملے سے چند دن پہلے دھان کے کھیت میں کمبوڈیا کی سرکاری فوج کے دو گشتی دستے اور چند حریت پسندوں میں جھڑپ ہو گئی۔ سرکاری دستوں نے حریت پسندوں کو گرفتار کرنے کے بعد ان سے جنگی قیدیوں کا سا سلوک نہیں کیا بلکہ ان پر انسانیت سوز ظلم کئے گئے۔ ان کے ہاتھ اور پیروں کو تسموں سے باندھ دیا گیا اور انہیں دھان کے کھیت میں دوڑایا گیا۔ انہیں رائفل کے کندوں سے اتنا مارا گیا کہ ان کے چہرے مسخ ہو گئے۔ اور ان کی پسلیاں کانچ کی چوڑیوں کی طرح ٹوٹ پھوٹ گئیں۔ پھر انہیں زمین پر گرا کر ان کے منہ پر فوجی جوتے رکھ دیئے گئے اور سنگینوں سے ان کا نرخرہ کاٹ دیا گیا۔ سامراج کے تنخواہ دار فوجی جب اپنے کیمپوں میں پہنچے تو ان کے ہاتھوں میں حریت پسندوں کے کٹے ہوئے سروں کی ٹرافیاں تھیں۔ وہ اپنی فتح کا نشان اپنے ساتھ لے کر آئے تھے۔ سرکاری کیمپوں میں موجود فوجی "سر بریدہ ٹرافیوں" کو دیکھ کر خوشی سے چیخنے چلانے اور رقص کرنے لگے۔

سامراج اور اس کی پٹھو حکومتیں اس سے بڑھ کر اپنی بربریت کی اور کیا مثال پیش کر سکتی ہیں۔ اوتھان اور بڑے بڑے جغادری دانشور ابھی تک خاموش ہیں۔ ان کا کوئی بیان اخباروں میں شائع نہیں ہوا۔ شاید سر بریدہ سروں کی ٹرافیاں انہیں بھی اچھی لگیں۔

مانگ رہا ہے ہر انسان، روٹی، کپڑا اور مکان

اصل نکتہ صرف ایک ہے

لاہور، نمائندہ الفتح

میگنا کے دیش سے خبر آتی ہے کہ مجیب الرحمان چھ نکات پر مصر ہیں اور ابھی تک مسٹر بھٹو شیخ صاحب سے اپنی "بات" نہیں منوا سکے۔ لاہور کے سیاسی حلقوں میں اس خبر پر تبصرے ہو رہے ہیں۔ سقہ قسم کے مبصر خواتین و حضرات کا خیال ہے کہ ذہنی طور پر شیخ صاحب ابھی تک علاقائی دلدل میں پھنسے ہوئے ہیں۔ حالات نے انھیں ایک مخصوص خطۂ ارض کی بجائے پورے ملک کا لیڈر بنا دیا ہے مگر دھان منڈی میں بیٹھ کر مجیب بھائی اپنے پچھمی پاکستانی مدمقابل کو یہی باور کرا رہے ہیں کہ چھ نکات کے بغیر کوئی قابلِ عمل آئین نہیں بن سکتا۔ ان بزرگ مبصرین کا خیال ہے کہ ذہنی طور پر شیخ صاحب کا ماضی اُن کے حال کے راستے میں روڑے اٹکا رہا ہے۔ ان کی سابقہ سیاسی زندگی ایک علاقائی لیڈر کی تھی۔ جسے وہ کمال حوصلے اور ہمت سے "بحال" رکھنا چاہتے ہیں۔ نفسیات کی زبان میں شاید ایک نئے لفظ کا اضافہ ہوا چاہتا ہے اور وہ لفظ ہے "ریجنل کمپلیکس"... اس کے برعکس بعض لوگوں کا خیال ہے کہ شیخ صاحب اتنے سادہ نہیں ہیں جتنے بظاہر نظر آتے ہیں۔ اصل میں بھاشانی کے نئے نعرہ "قرارداد لاہور کی بنیاد پر مکمل آزادی" کے مقابلہ میں وہ خود آنے کی بجائے پچھمی پاکستان کو دھکیل رہے ہیں۔ اور یوں مستقبل قریب میں اپنے لئے "توازن" قائم رکھنے والی طاقت کا کردار تخلیق کر رہے ہیں۔

ایک رائے اور بھی ہے، اور وہ یہ کہ اب چھ نکات پوربو پاکستان کا نہیں بلکہ پچھمی پاکستان کا نعرہ بن جائے گا۔ جس اسمبلی کی مستقل تین صد سیٹوں میں سے ۱۶۲ سیٹیں بنگال والوں کی ہوں۔ انہیں مرکز گریز پالیسی اختیار کرنے کی ضرورت ہی کیا ہے؟

تھرڈ پالیٹکس والوں کا خیال ان سب سے الگ ہے۔ ان کا خیال ہے کہ نکات چھ ہوں یا گیارہ۔ اصل نکتہ ایک ہے۔ صرف ایک۔ اور وہ یہ کہ ؎

مانگ رہا ہے ہر انسان، روٹی، کپڑا اور مکان

یہ نہیں تو کچھ بھی نہیں۔ اور یہ ہے تو نکات کی ضرورت ہی باقی نہیں رہتی۔ "دستور نہ مکان ہے کہ اس میں رہا جا سکے نہ روٹی ہے کہ اسے کھایا جا سکے اور نہ ہی کپڑا کہ اُسے پہنا جا سکے!"

—— ⁂ ——

بھٹو مجیب ملاقات کی "آئندہ پیشی" پڑ چکی ہے۔ غالباً اس کالم کی اشاعت تک عوام کے اِن رہنمایان کی بات چیت کسی نئے مرحلہ میں داخل ہو چکی ہو گی۔ یا داخل ہو کر خارج ہو چکی ہو گی۔ جو بھی صورت ہو۔ ایک ہمیں اچھی لگ رہی ہے کہ نتائج خواہ کچھ بھی ہوں جو دھماکہ کھوسٹ سیاست دانوں کا ہوا ہے وہ دنیا بھر میں اپنی نوعیت کا ہے۔ ایوب خاں کے مقابلے میں حقہ ٹوپی لے کر بیٹھنے والے آجکل ملکی سیاست کی بجائے اپنے اصل مقام یعنی منظفر گڑھ کی تحصیل بیہ میں ٹاؤن کمیٹی کے ہونے والے الیکشن کے جوڑ توڑ میں مصروف ہیں۔ بے چارے ہواباز سیاستدان، خلا میں لٹکے ہوئے سیاسی آکسیجن کے منتظر ہیں۔ تحریکِ استقلال کی قمر گاڑی کا ایندھن ختم ہو چکا ہے۔ کسی وقت بھی گاڑی اپنے ہواباز سمیت بحرالکاہل میں گرنے والی ہے۔ البتہ یہ علم نہیں کہ چچا سام اس بے کار پنجر کو پکڑنے کے لئے سمندروں میں لنگر انداز ہے یا کسی نئے تیر انداز کی تلاش میں ہے۔ جہاں تک مزدوروں کے "دوست" ہواباز کا تعلق ہے اب ان کو خود اپنی بھی خبر نہیں آتی —— کیا بے مروتی ہے۔ اخبار بیان تک شائع نہیں کر رہے۔ 'شاہین سیاست' کو حنوط گڑھ والے بھی نہیں قبول رہے ہے۔ ان سب سیاست دان حضرات میں چودھری محمد علی سیانے ثابت ہوئے۔ حالات کا اندازہ ہوتے ہی انھوں نے اپنے سیاسی "گناہوں" سے توبہ کرنے کے لئے ریٹائرمنٹ کا مُصلّہ اور جمہوریت کی بحالی کا لوٹا اٹھایا اور یادِ ایام میں اللہ توبہ۔ اللہ توبہ۔ میری توبہ یارب۔ میری توبہ۔ توبہ

اب رہ گئے پدرم اقبال بود.... تو ان بیچاروں کو اپنی سیاسی ہلاکت سے چند روز پہلے ایک ایسے نیم حکیم سے واسطہ پڑا تھا جس نے اپنے علاج کے فن سے اپنے پورے کنبے کو اللہ میاں کو پیارا کروا دیا تھا۔ بیچارے "پدرم اقبال بود" کو سیاست کا یہ نیم حکیم کیا بچا سکتا تھا۔ پھر "گشتی شفاخانہ" کی دوائی سے آج تک کوئی پیٹ درد سے نجات نہ پا سکا تو یہ کیسے مان لیا جائے کہ گشتی شفاخانہ" کے ساکت حکیم کے جھو منتر، تعویذ ٹونے سے بیرسٹر صاحب کو افاقہ ہو تا۔

مرض بڑھتا گیا جُوں جُوں دوا کی

—— ⁂ ——

لاہور کے ٹریڈ یونین فرنٹ پر آجکل "مزدوروں کے خادم" آپس میں رسہ کشی میں مصروف ہیں۔ پرانی دکانوں کے مقابلے میں نئی دکانیں سجائی جا رہی ہیں۔ بعض تو اپنا مال ریڑھیوں پر لاد کر میدان میں آ رہے ہیں۔ اِن کو سب دوکانداروں پر ایک فوقیت اور برتری حاصل ہے۔ جدھر دیکھا دیکھا "گاہکی" زیادہ ہے۔ اپنی ریڑھی کو دھکیلا اور آوازیں نکالنا شروع کر دیں۔ ان ریڑھی والوں میں ایک صاحب تو خاصے مصروف ہیں۔ ان حضرت نے گذشتہ برس کوٹ لکھپت کے صنعتی ایریا میں اپنی دکانداری کے وہ جوہر دکھائے کہ ابھی تک بعض مزدور قید و بند کی مصیبتوں میں مبتلا ہیں۔ پھر ان حضرت نے ریلوے میں بیچارے مغل مزدور رہنما کی پرانی ساکھ کو برباد کرنے کے لئے "تکے سبز" کی آواز لگا دی۔ اِدھر شاہدرہ اور کالاشاہ کاکو میں بھی آجکل ان کے کل پرزے اس نئی "فیر پرائس شاپ" کا چرچا کر رہے ہیں۔ اگلے روز ڈاکٹر مبشر حسن نے اس رسہ کشی کے درمیان میں کھڑے ہو کر اپنی پوری قوت سے وسل دی تھی۔ اور ان بزرگ تہہ بازاری والے مزدور رہنماؤں کو یقین بھی دلایا تھا کہ بھائی فکر مت کرو ہم تمہارے کاروبار میں رکاوٹ نہیں ڈالنے دیں گے۔

مزدوروں کے پرانے خادم نئے اُفق تلاش کر رہے ہیں

البتہ اگر کوئی اور صورت ممکن ہوئی تو —؟

اِدھر مزدوروں کے وہ پرانے خادم جو ایوب آمریت کے آخری دنوں تک مزدوروں کو سیاست سے دور رکھنے کے لئے مختلف نعرے گھڑتے رہے۔ اب نئے افق کی تلاش میں ہیں۔ کیا کیا جائے مندے کے دن جو ہوئے۔

ان "بھائیوں کی ہٹی" اور "دوستاں دے ہٹ" کے رگڑے میں وہ لاکھوں مزدور آرہے ہیں جو اپنے حقوق کی جنگ کے لئے پہلے سے کہیں زیادہ انقلابی بن چکے ہیں۔ جو لیبر کورٹ اور عرضی درخواست کے چکر سے نجات حاصل کرنے کے لئے موجودہ استحصالی نظام کی بساط اُلٹنے کی سوچ رہے ہیں جہاں سرمایہ داروں کے ایوان لرز رہے ہیں وہاں پرانے "مزدور رفادموں" کی اونچی دوکانوں کا پکوان پھیکا ہو رہا ہے۔ ان بدلے ہُوئے حالات نے جناب بشیر بختیار سے کہلوایا ہے:

"کارخانہ مزدور کا، زمین کاشت کار کی"!

اور اِدھر مغل خاندان کے مزدور راہنما نے اپنی گول مول سیاست کی بجائے ریلوے ورکشاپ کے سامنے ۱۲ فروری کو مزدوروں کو مجاشن دینے کے لئے اجتماع کے انتظامات شروع کر دیئے ہیں۔ اس لئے کہ نووارد ریڑھی والے نے بھاؤ اس حد تک گرا دیا ہے کہ اب چھ مہینے کے اُدھار پر بھی گاہک ملنے مشکل ہو رہے ہیں۔

اکانومزم (ECONOMISM) کا یہ انجام ناگزیر ہوتا ہے۔ اس میں پریشان ہونے کی کیا بات ہے لیکن مزدور کسان انقلاب میں اتنی طاقت ہے کہ وہ راستے کے ان ندی نالوں کو عبور کر کے اپنی منزلِ مقصود پر پہنچ جائے گا مزدور۔ بالخصوص لاہور کا مزدور اب پاکستان بھر کے مزدوروں کی قیادت کے لئے نئے راستے تراش رہا ہے۔ جس پر چل کر انقلاب کی کہکشاں راہ میں نور بکھیر دے گی۔ اور پھر طلوعِ سحر ہوگی — وہ سحر جس کے لئے کروڑوں محنت کش صدیوں سے ظلم و تشدد کا بوجھ اُٹھائے ہُوئے ہیں۔

— ❊ —

جن لوگوں نے طلوعِ سحر تک جد و جہد کا عزم باندھا ہے۔ وہ آج پھر طاقت کے اصل سرچشمے کی طرف لوٹ رہے ہیں۔ یہ بات باعثِ مسرت ہے کہ انتخاب جیتنے والی پارٹی کے بعض افراد نے اس سرچشمے سے اپنا ناطہ بدلے ہُوئے حالات میں جوڑا ہے۔ بالخصوص جب کہ بہت سے حضرات یا تو الیکشن کی تھکاوٹ اُتار رہے ہیں یا پھر وزارت کی دَوڑ دھوپ کھا رہے ہیں اور ماگھ کے "بسنت پالے اڑنت" میں وزارت کی گڈی لوٹنے کے فکر میں بانس اُٹھاتے پھر رہے ہیں۔ کچھ لوگ ان غلاظتوں سے علیحدہ رہ کر اپنے دامن کو محفوظ رکھتے ہُوئے دیہاتوں کا رُخ کر رہے ہیں۔ اس لئے کہ پاکستان اپنے دیہاتوں میں بستا ہے۔ انقلاب کی فصل دیہاتوں میں کاشت ہوگی۔ بڑھے پھولے گی۔ کسانوں کی تعلیم و تنظیم کے اس اہم مرحلہ میں جو بھی فرد یا جماعت پہل کرے گی وہ مستقبل کی قیادت کرے گی۔ اور اس کے مقابلے میں جو لوگ پیٹی بورژوا سیاست میں اُلجھ کر محض ہوٹل کی سیاست یا یونیورسٹی کالج کے طلباء کی تنظیموں پر انحصار کر کے اپنے آپ کو اصل تے وڈا با اختیار انقلابی ثابت کرنے میں مصروف رہیں گے ان کے "ٹھا" ہونے میں کسی کو شک نہیں ہونا چاہیئے۔

پنجاب کے دارالحکومت کے وہ نوجوان انقلابی یقیناً قابلِ تحسین ہیں جنہوں نے مال روڈ کے لارڈز ہوٹل کے نرم نرم کو بچ چھوڑ کر دیہات کی طرف جانے والی پگڈنڈیوں پر اپنے نقشِ پا ثابت کر دیئے ہیں۔ منزل کی طرف یہی اور صرف یہی راستہ جاتا ہے۔ قدم تیز بڑھاؤ۔ ساتھیو۔ قدم اٹھاؤ۔

— ❊ —

عیدِ قربان اور میٹھی عید کے دوران "سامراج پسندوں" کا جو "محرم" ہوا ہے اس کا ذکر ہم دیگر پیرائے میں ہم اوپر کر چکے ہیں۔ اب صرف قربانی کی کھالوں کی فکر لاحق ہے۔ ہمیں نہیں — بلکہ اچھرہ پارٹی کو۔ غالباً اب عوام سے اپیل اِن الفاظ میں کی جائے گی۔ ؏

ووٹ نہیں دیتا نہ دے، کھال تو دے

یا پھر کچھ اس قسم کا انداز ہوگا:

جو بھی اس دنیا میں ایک کھال بکری کی دے گا
اگلے جہاں میں . . . . خیر جانے دیجئے ؎
چھیڑ "خوباں" سے چلی جاتے اسدؔ
نہ سہی عشق، مصیبت ہی سہی

— ❊ —

جواں سال عوامی شاعر اور وکیل انور علیمؔی کوٹ لکھپت جیل کی سلاخوں کے پیچھے بند ہے۔ نوجوانوں کا یہ محبوب شاعر ابھی کچھ عرصہ پہلے ایک باغیانہ نظم پڑھنے کی سزا بھگت کر آیا تھا۔ لیکن اس بار ایک شاعر پر مے کی صراحی توڑ دینے کا الزام ہے۔ علیمؔی چاہے جو بھی کہے۔ الزام کی خوبصورتی اور نزاکت سے انکار کفر ہے۔ استغاثہ کو داد نہ دینا بخل کہلائے گا۔ اور پھر استغاثہ کی دریادلی تو ملاحظہ ہو۔ شیخوپورہ کا پُورا مے خانہ۔ انور علیمؔی نے ڈھا دیا۔ استاد جوشؔ کیا کہتے ہیں اس بارے میں۔ عدمؔ اور ظہیر کاشمیری کا فتویٰ کیا ہے؟ شاعر اور شراب خانہ توڑ ڈالے؟؟

انور علیمؔی کی صفائی تو عدالت کے روبرو پیش ہوگی۔ ہمیں اس سے سردست دلچسپی نہیں۔ البتہ یہ خیال ضرور آرہا ہے کہ غریب انور علیمؔی ایک ایسے گناہ کا شکار ہے۔ جسے شعراء کرام شاید معاف نہ کر سکیں۔ رہی اس کی بریت یا سزا یابی، اس کے لئے عدالت مقرر ہوگی جس کا فیصلہ آپ اور ہم اخبارات کے ذریعے سُن لیں گے علیمؔی کے ساتھ اور بھی تو بہت سے لوگ پکڑے گئے ہیں۔

شاہین سیاست
کو
خطوط گھر
والے بھی قبول
نہیں
کرتے

اس حسین الزام ہیں۔

علیمی پر الزام ہے کہ اس نے ناموسِ رسولؐ کے جلوس کی قیادت کرتے ہوئے شراب خانہ پر پکٹنگ کی اور شراب جیسی قیمتی شئے کو زمین پر بکھیر دیا۔ ہے نا خوبصورت۔ نشہ آور الزام۔ ایک شاعر ہے؟

——— ٭ ———

معاصر آزاد لاہور نے خبر دی ہے کہ پنجاب یونیورسٹی اسٹوڈنٹس یونین کے حالیہ انتخاب میں کامیاب ہونے والے جمعیت کے امیدوار مسٹر حفیظ خاں کے حامیوں نے جشنِ فتح مناتے ہوئے نعرہ لگایا۔

"امریکہ زندہ باد"

ہمیں "آزاد" والوں سے شکوہ ہے۔ اس خبر میں حیرانگی کی بات کیا ہے جو اسے لیڈ لگائی گئی ہے۔ احسان مندی اور مالک کے جوتے چاٹنا ہر وفادار کا پیدائشی فرض ہے! لیکن مالک عیار ہو تو معاملہ اُلجھ جاتا ہے۔ ٹنڈر پاکستان کی قومی سیاست جیتنے کا ملا تھا۔ نہ کہ زیر تعلیم بالغ و نابالغ بچوں کے الیکشن کا۔ ۵٪ کمیشن کاٹ کر باقی رقم بیروت کے بنکوں میں واپس جمع کرانی پڑے گی۔

"امریکہ زندہ باد" کے نعروں سے حساب بے باک نہ ہو سکے گا۔ مال امریکی یہودیوں کا ہے۔ بیچارے مسلمانوں کی کمائی نہیں۔ ہاں!

نیپ میں

ترقی پسندوں اور رجعت پسندوں کی کشمکش

کوئٹہ محمود مری بلوچ

آج جب بلوچستان میں نیشنل عوامی پارٹی کے پارلیمنٹری پارٹی اور انتظامیہ کمیٹی کے اجلاس ختم ہوئے تو بلوچستان کے صدر مقام کوئٹہ کے سیاسی حلقے یہ سوال کر رہے ہیں کہ یہ اجلاس کیوں بلائے گئے۔ یہی سوال جب نیشنل عوامی پارٹی کے کسی ممبر سے کیا جاتا ہے تو وہ خود مجسم سوال بن جاتا ہے۔ حالانکہ بظاہر یہ اجلاس پارلیمنٹری پارٹی کے لیڈر اور خواتین کی نشست کے لئے امیدوار کے چناؤ وغیرہ کے لئے بلایا گیا تھا۔ لیکن بغور تجزیہ کیا جائے تو یہ حقیقت واضح ہو جاتی ہے کہ اجلاس پارٹی کے ایک گروہ نے اپنی طاقت کے مظاہرے کے لئے بلایا تھا۔ انتخاب میں سرمایہ داروں اور رجعت پسندوں کی شکست کے بعد نیشنل عوامی پارٹی میں اُن کا آلۂ کار گروہ سرگرم عمل ہو گیا ہے۔ ایک طرف تو انہوں نے پیپلز پارٹی اور جناب بھٹو کے خلاف پریس کانفرنسوں اور اخباری بیانات کا ایک غیر مختتم سلسلہ شروع کر دیا کہ نیشنل عوامی پارٹی کو پیپلز پارٹی سے بدظن کیا جائے اور دوسری طرف انہوں نے بلوچستان کے مفادات کو عوامی لیگ سے وابستہ کرنے کے لئے اپنی پراپگنڈہ مشینری کو تیز تر کر دیا۔ اور بلوچستان میں اپنے نامزد کردہ عوامی لیگ کے سربراہ کو فوراً ڈھاکہ بھیج دیا تاکہ وہ مغربی پاکستان کے چند دوسرے عوامی لیگیوں کی طرح پیپلز پارٹی اور عوامی لیگ کے درمیان غلط فہمیاں پیدا کرنے میں مددگار ثابت ہو سکے، اور اس کے بعد عوامی لیگ اُن کے ساتھ سودے بازی کے لئے مجبور ہو سکے لیکن نیشنل عوامی پارٹی میں بائیں بازو کا عنصر جن کی رہنمائی میر غوث بخش، زمرد حسین وغیرہ کر رہے ہیں۔ انھوں نے اِن اخباری بیانات کا سختی سے نوٹس لیا کہ قبل از وقت بیانات سے احتراز کرنا چاہیے اور کہ غیر ممبر رہنماؤں کو



پہچانئے یہ کس کی تصویر ہے؟

پاکستان کے ایک بڑے سیاسی راھنما کے انقلابی بیٹے کے بارے میں الفتح کی خصوصی کہانی آئندہ شمارے میں ملاحظہ کیجئے

بلوچستان کے کامیاب رہنما عوامی لیگ سے ساز باز کر رہے ہیں

پارٹی کے ترجمان بننے کا کوئی حق حاصل نہیں۔ اس پر پارٹی کے رجعت پسندوں نے اپنی طاقت کے مظاہرے کے لئے پارلیمنٹری پارٹی کا اجلاس طلب کروایا تاکہ اپنی پسند کے فرد کو پارلیمنٹری پارٹی کا لیڈر چن کر ایک طرف اپنی طاقت کا لوہا منوا سکیں، اور دوسری طرف ترقی پسند عنصر کو کمزور کر کے اپنے فیصلے منوانے پر مجبور کر سکیں۔ لیکن ترقی پسند عنصر کو اس سازش کا قبل از وقت پتہ چل گیا اور انہوں نے بھی اپنی جدوجہد تیز کر دی۔

چنانچہ اجلاس شروع ہُوا تو ترقی پسند عنصر باوجود تعداد میں کم ہونے کے اجلاسوں پر چھایا رہا اور رجعت پسند اپنا کوئی فیصلہ منوا نہ سکے۔ اجلاس ملتوی ہوتے گئے اور بلوچستان کے صدر مقام میں بلوچستان کی اکثریتی پارٹی کے تمام منتخب ممبروں کی موجودگی میں دعوت نامے اس کثیر تعداد میں ملنے لگے کہ رہنماؤں کے لئے ان کی تاریخوں کو ترتیب دینا بذاتِ خود ایک مسئلہ بن گیا۔ اسی طرح جو نمائندے صرف ہاتھ اٹھانے کے لئے بلوائے گئے تھے وہ اجلاس کی کارروائیوں سے زیادہ دعوتوں کی تاریخوں کو ترتیب دینے میں دلچسپی لینے لگے۔ بایں ہمہ اوپر کی سطح پر کشمکش جاری رہی۔ ترقی پسند عنصر پہلے سے تیار اور ہمہ وقت چوکس رہا اور اپنے ایک دو بنیادی فیصلے منوانے میں کامیاب ہو گیا، جن میں سے ایک پارٹی کو یہ واضح احساس دلایا گیا کہ انھوں نے پارلیمنٹری پارٹی کا اجلاس طلب کر کے اسی طرح جلد بازی کی ہے جس طرح پارٹی کے رجعت پسند گروہ نے ایوب خاں کے آخری ایام میں اس کی حمایت کر کے جلد بازی کا بھونڈا مظاہرہ کیا تھا۔ اور دُوسرے ہیں وہ میر غوث بخش بزنجو کو جنھیں نیشنل عوامی پارٹی میں خاص مقام حاصل ہے انھیں دو ایوانی مقننہ کی اہمیت کا قائل کرنے میں کامیاب ہُوئے حالانکہ اس سے قبل وہ نواب اکبر خاں کے گروہ کے اثر کی وجہ سے ایک ایوانی مقننہ کی حمایت میں بولتے تھے۔ ان کا موقف تھا کہ جب چھ نکات کی بنیاد پر تمام اختیارات صوبوں کو حاصل ہوں گے تو دو ایوانوں کی کیا ضرورت؟ لیکن اب انھیں یہ احساس ہوتا جا رہا ہے کہ صوبہ بلوچستان کی بہتری پیپلز پارٹی کے ساتھ اتحاد اور تعاون میں ہے جس کو صوبہ سندھ اور پنجاب میں اکثریت حاصل ہے اور امن کے ساتھ آئندہ پانچ سال گزارنے ہیں۔ دوسری طرف مجیب صاحب جہاں چھ نکات کو بھی نظر انداز نہیں کر سکتے۔ جب کہ چھ نکات میں دو کرنسی اور گیارہ نکات میں زونل فیڈریشن کے قیام کا مطالبہ واضح طور پر موجود ہے اور مجیب صاحب کے حالیہ بیانات سے بھی اس بات کو تقویت ملتی ہے۔ چنانچہ

پٹ فیڈر کے مسئلے پر

ترقی پسندوں نے

فتح حاصل کر لی ہے

اسی بنا پر بلوچستان کے سیاسی حلقے اور نیشنل عوامی پارٹی کے ذرائع بھی حیران ہیں کہ وہ کونسی وجوہات ہیں جن کی بنا پر نواب اکبر گروہ عوامی لیگ کی طرف جھکنے پر مجبور ہے۔ چھ اور گیارہ نکات کی بنیاد پر زونل فیڈریشن کی حمایت کرتا ہے۔ عام طور پر یہ کہا جاتا ہے کہ سب سے بڑا مسئلہ اُن کے ذاتی مفادات اور میر خیر بخش کی نیشنل اسمبلی کی نشست خالی کرانے کا ہے۔ یاد رہے کہ میر خیر بخش بیک وقت صوبائی اور قومی اسمبلی کے ممبر منتخب ہوئے ہیں۔ عام خیال یہ ہے کہ وہ نیشنل اسمبلی کی نشست خالی کریں گے، اور نواب اکبر اس پر قبضہ جما کر یا براہِ راست مجیب صاحب کا تعاون حاصل کر کے اقتدار کے لئے جدوجہد شروع کریں گے۔ معتبر ذرائع سے معلوم ہوا ہے کہ اس سلسلہ میں اُنھیں اتنی کامیابی ہُوئی ہے کہ انھوں نے پارٹی کو اس بات پر رضامند کر لیا ہے کہ نیشنل اسمبلی کے لئے نیشنل عوامی پارٹی کے منتخب ارکان پشاور جائیں گے اور وہاں کے لیڈروں سے مل کر ایک وفد ترتیب دے کر عوامی لیگ رہنماؤں سے ملنے ڈھاکہ جائیں گے۔ لیکن زیادہ امکان یہ ہے کہ انہیں اس دورہ کے نتائج سے مایوسی ہوگی۔ کیونکہ جس طرح بلوچستان میں سوشلسٹ اور ترقی پسند عنصر اُبھر رہا ہے اور نیشنل عوامی پارٹی کے حالیہ اجلاس میں باوجود مختصر تعداد کے جس طرح یہ عناصر کارروائیوں پر چھائے رہے وہ اکبری مفاد پر سوشلسٹ بنیادوں پر آئین سازی اور صوبہ بلوچستان کے لئے بہتر مستقبل کی جدوجہد کو ترجیح دیں گے۔ اور مستقبل میں نواب اکبر گروپ شاید اقتدار کے حصول میں کامیاب ہو جائے۔ اور بالآخر یہی اقتدار کا حصول بلوچستان میں ان کی سیاسی موت کے لئے زہر قاتل ثابت ہوگا۔ بصورت دیگر اگر وہ بلوچستان میں اقتدار حاصل کرنے میں ناکام ہو گئے۔ جس کا امکان بہت کم ہے۔ تو وہ فوری طور پر نیشنل عوامی پارٹی کے بائیں بازو کے ساتھ ٹکرا جائیں گے کیونکہ اُن کے اور عطاء اللہ مینگل کے لئے پٹ فیڈر کے اراضیات کی تقسیم تو کسی بھی طرح قابلِ قبول نہیں ہوگی۔ پٹ فیڈر مسئلہ پر ہم کسی اور شمارہ میں تفصیل سے لکھیں گے۔ بہر حال پٹ فیڈر پر تنازعہ نے اسی وقت نیشنل عوامی پارٹی کے دائیں اور بائیں بازوؤں کے اختلافات کو اور وسیع کر دیا ہے اور میر غوث بخش بزنجو کی وجہ سے فی الحال کشمکش دب گئی اور ظاہری طور پر ترقی پسند عناصر پٹ فیڈر آرڈیننس کے بارے میں اپنی بات منوانے میں کسی حد تک کامیاب ہو گئے۔ اور اس سلسلے میں گورنمنٹ کو بھی جھکنا پڑا۔

بقیہ: این ایس ایف کے کامیاب اُمیدوار

۱۴۔ محمد حنیف (نائب صدر) 〃 〃 〃

۱۵۔ محمد انور آس (جنرل سیکرٹری) 〃 〃

۱۶۔ محمد اشرف خاں نیازی (صدر) گورنمنٹ کالج میانوالی

۱۷۔ محمد زبیر (جنرل سیکرٹری) اسلامیہ کالج سول لائنز لاہور

۱۸۔ شمیم احمد اعوان (نائب صدر) گورنمنٹ کالج لائلپور

۱۹۔ امجد علی شاہ (جنرل سیکرٹری) 〃 〃 〃

۲۰۔ سید محمد ظفر زیدی (صدر) مرے کالج سیالکوٹ

۲۱۔ شیخ ظہیر الحسن (نائب صدر) 〃 〃 〃

۲۲۔ چودھری منور سرور (جنرل سیکرٹری) 〃 〃 〃

۲۳۔ چودھری عبدالحفیظ (صدر) علامہ اقبال کالج سیالکوٹ

۲۴۔ چودھری محمد امین (نائب صدر) 〃 〃 〃

۲۵۔ غلام حسین (جنرل سیکرٹری) 〃 〃 〃
۲۶۔ میاں مطیع الرحمان (صدر) گورنمنٹ کالج سرگودھا
۲۷۔ ایم افضل حق (جنرل سیکرٹری) 〃 〃 〃
۲۸۔ محمد امیر (نائب صدر) جناح سینٹرل کالج قائدآباد
۲۹۔ محمد انور (جنرل سیکرٹری) 〃 〃 〃
۳۰۔ خالد سعید (نائب صدر) گورنمنٹ کالج جہلم
۳۱۔ عارف حسین چٹھہ (صدر) اسلامیہ کالج لائلپور
۳۲۔ محمد ابن شاد (نائب صدر) 〃 〃
۳۳۔ نعیم رضا۔ (جنرل سیکرٹری) 〃 〃
۳۴۔ محمد اقبال جاڑا (صدر) میونسپل کالج منڈی بہاؤالدین
۳۵۔ ریاض الحق (نائب صدر) 〃 〃
۳۶۔ محمد عنایت مسکین (جنرل سیکرٹری) 〃 〃
۳۷۔ محمد یوسف خان (صدر) اسلامیہ ڈگری کالج
۳۸۔ ظفر الحق (جنرل سیکرٹری) 〃 〃 〃
۳۹۔ عبدالرزاق حسین (صدر) اسلامیہ کالج ہارون آباد
۴۰۔ لیاقت علی (نائب صدر) 〃 〃 〃
۴۱۔ محمد انور علوی (جنرل سیکرٹری) 〃 〃 〃
۴۲۔ عبدالحمید (صدر) ننکانہ صاحب کالج
۴۳۔ اللہ دتہ بھٹی نائب صدر) 〃 〃 〃
۴۴۔ شوکت علی قریشی (جنرل سیکرٹری) 〃 〃 〃
۴۵۔ راشد بٹ (نائب صدر) پنجاب یونیورسٹی
۴۶۔ محمد اعجاز میر 〃 شعبۂ کیمسٹری
۴۷۔ شفقت رانا جنرل سیکرٹری 〃
۴۸۔ جاوید علی خاں 〃 شعبۂ کیمیکل ٹیکنالوجی
۴۹۔ سرفراز بٹ نائب صدر 〃 〃
۵۰۔ راشد بٹ نائب صدر شعبۂ سیاسیات
۵۱۔ محمد اصغر چوہدری نائب صدر شعبۂ حیوانیات
۵۲۔ وسیم جاوید (جنرل سیکرٹری) 〃 〃
۵۳۔ محی الدین (نائب صدر) شعبۂ اخلاقی نفسیات
۵۴۔ رئیس احمد (جنرل سیکرٹری) 〃 〃
۵۵۔ گلشن آرا (نائب صدر) 〃 〃
۵۶۔ شمیر علی (صدر) جہان زیب کالج سیدو شریف (سوات)
۵۷۔ 〃 جنرل سیکرٹری جہانزیب کالج سیدو شریف (سوات)
۵۸۔ معروف خان (صدر) گورنمنٹ کالج ناظم آباد کراچی
۵۹۔ [illegible] (نائب صدر) شعبہ انگریزی یونیورسٹی آف کراچی
۶۰۔ [illegible] جمیل (جنرل سیکرٹری) 〃 〃

۶۱۔ فاضل الرحمان (جوائنٹ سیکرٹری) امرتسر کالج ریلوے روڈ لاہور
۶۲۔ اخلاق خاں 〃 گورنمنٹ کالج نوشہرہ
۶۳۔ واجد ذکی بابر 〃 گورنمنٹ کالج ساہیوال
۶۴۔ ملک شیر آزاد 〃 ایجوکیشنل کالج چیچہ وطنی
۶۵۔ اورنگ زیب 〃 گورنمنٹ کالج لائلپور
۶۶۔ چوہدری لیاقت علی۔ جوائنٹ سیکرٹری مرے کالج سیالکوٹ
۶۷۔ چوہدری محمد اسلم جوائنٹ سیکرٹری علامہ اقبال کالج سیالکوٹ
۶۸۔ ملک جاوید اقبال (جوائنٹ سیکرٹری) گورنمنٹ کالج سرگودھا

۶۹۔ شہادت خاں 〃 〃 جناح سینٹرل کالج قائدآباد
۷۰۔ رضا احمد (جوائنٹ سیکرٹری) میونسپل کالج منڈی بہاؤالدین
۷۱۔ محمد سلیم 〃 〃 اسلامیہ کالج ہارون آباد
۷۲۔ محمد منشاد 〃 〃 ننکانہ صاحب کالج
۷۳۔ محمد اعظم 〃 〃 شعبۂ حیوانیات
۷۴۔ طارق معصوم (خزانچی) 〃 〃
۷۵۔ زاہدہ مصطفےٰ 〃 شعبۂ اخلاقی نفسیات
۷۶۔ سلمیٰ خان (جوائنٹ سیکرٹری) جہان زیب کالج سیدو شریف

عوامی لیگ سے لوگوں کا اعتماد جلد اُٹھ جائیگا

صفحہ ۱۰ سے آگے

نیشنل اسمبلی کا اجلاس فوراً بلانے پر زور دیتے ہیں تاکہ اجلاس ہو۔ وہ آئین پیش کریں۔ جسے وہ پہلے سے تیار کروا چکے ہیں۔ اس پر اپنے ارکان اور کچھ مغربی پاکستانی ارکان سے ہاتھ اٹھوا کر آئین کو چالو کریں۔ حکومت سنبھالیں۔ حکومت سنبھالنے میں جتنی دیر لگے گی عوام اور عوامی لیگ میں اتنے ہی فاصلے بڑھیں گے۔ الیکشن کے بعد عوامی لیگ عوام سے اپنا رابطہ توڑ چکی ہے۔ رمنا میں شیخ صاحب نے سب ارکان اسمبلی کو بلوا کر ان سے حلف اٹھوا کر ٹائم بم کی میعاد میں اور اضافہ کروا لیا ہے۔ عوام کو چھ نکات پر عمل درآمدی کوئی فکر نہیں ہے۔ وہ اپنے حالات میں تبدیلی چاہتے ہیں۔ اس لئے انٹر کانٹی نینٹل کے باہر کھڑے عوام نے بھٹو سے یہی کہا کہ "غریبوں کا آپ لوگ کچھ جلدی کریں" انہیں قطعاً اس بات کی فکر نہ تھی کہ آپ کا اور مجیب کا کچھ سمجھوتہ ہوا کہ نہیں"۔ آپ ہمارے چھ نکات مان لیں۔ لاہور کراچی میں شیخ صاحب آئیں تو وہ چھ نکات کے بارے میں یہاں کے عوام کے خیالات بخوبی سن سکتے ہیں۔

یہ درست ہے کہ عوامی لیگ نے بنگالی نیشنلزم کے کے نعرے پر کامیابی حاصل کی ہے۔ لیکن یہ نیشنلزم بغیر بنیادوں اور جڑوں کے ہے۔ اس نیشنلزم کی عمارت بیوروکریسی اور لبارٹوا سیاست پر کھڑی کی گئی ہے اپنے وسائل اور ۲۳ سال کے تاریخی عمل کو بالکل نظرانداز کر دیا گیا ہے۔ دنیا اب نیشنلزم کے نعروں سے بہت آگے نکل چکی ہے۔ آج کا مسئلہ اقتصادی مسئلہ ہے دنیا بھر کے غریب، مزدور کسان ایک ہیں۔ ایک مسئلے سے دوچار ہیں۔ بنگال کے لوگوں میں اپنے بنیادی حقوق کا شعور پیدا کرنے کی بجائے ان میں بنگالیت کا جذبہ پیدا کر کے ان کی سوچ اور جدوجہد کو محدود کر دیا گیا ہے اس طرح تاریخ کے دھارے کو الٹے رخ موڑنے کی کوشش کی گئی ہے۔ اس متضاد حکمت عملی نے اس وقت عوامی لیگ کو تین گروہوں میں بانٹ دیا ہے۔ ایک گروپ انتہا پسند مشرقی پاکستانی گروپ ہے جس کی قیادت تاج الدین اور نذر اسلام کر رہے ہیں ان کا موقف ہے کہ چھ نکات عوام کی ملکیت ہیں۔ ان پر اب کوئی بات نہیں ہو سکتی۔ وہ اس بات کو کوئی اہمیت نہیں دیتے کہ باقی چار صوبوں نے چھ نکات پر ووٹ نہیں دیئے ہیں عوامی لیگ خواہ اکثریتی پارٹی ہی ہے لیکن اسے ایک ہی صوبے نے ایسا mandate دیا ہے وہ اس سلسلے میں کسی بات چیت کے قائل نہیں ہیں۔ دوسرا گروپ قمر الزماں اور ڈاکٹر کمال حسین کی قیادت میں بات چیت کے حق میں ہے۔ وہ مغربی پاکستان کے چار صوبوں کی رائے کو بالکل نظرانداز کر دینے کو تاریخ سے ناانصافی قرار دیتا ہے۔ لیکن اس گروپ کے ہاتھ کمزور پڑتے جا رہے ہیں۔ تیسرا گروپ انقلابی طلبہ اور نوجوان طبقے کا ہے۔ جس کی قیادت سراج العالم کر رہے ہیں۔ وہ نہایت غضب اور جوشیلے ورکر ہیں۔ ان کا کہنا ہے کہ اب بنگال کو اپنی قسمت کا فیصلہ خود کرنا ہے۔ رمنا میں جب شیخ صاحب نے جئے بنگلہ کے ساتھ

جئے پاکستان کا نعرہ بھی لگایا تو اس پر سراج العالم نے سخت تنقید کی اور کہا تھا کہ صرف اور صرف جئے بنگلہ، جئے پاکستان کا کیا مطلب۔ یہ گروپ جلد یا بدیر عوامی لیگ سے الگ ہو کر بائیں بازو کے انتہا پسندوں سے جا ملے گا۔ اس طرح طلبہ سے عوامی لیگ کا رہا سہا رشتہ بھی ختم ہو جائے گا۔ اس وقت بھی عوامی لیگ کا مزدور کسانوں اور طلبہ سے براہ راست رابطہ ختم ہو چکا ہے۔ مزدور آج کل عوامی قیادت سے محروم ہیں۔ کسانوں کو بھاشانی سے ٹوٹنے والے لیڈر منظم کر رہے ہیں۔

(مزدوروں، کسانوں اور طلبہ میں قیادت کے اتار چڑھاؤ پر مشرقی پاکستان میں پیپلز پارٹی کے امکانات کے زیر عنوان آئندہ ہفتے بات کی جائے گی۔) عوامی لیگ سے منسلک طلبہ کی قیادت طفیل احمد کر رہے تھے۔ ایوب کے خلاف تحریک میں انہوں نے نمایاں حصہ لیا تھا۔ مگر اب ایم این اے بننے کے بعد وہ طلبہ کی قیادت سے فارغ ہو چکے ہیں۔ اور طلبہ میں کسی تحریک کی ضرورت محسوس نہیں کرتے۔ کیونکہ عوامی لیگ برسر اقتدار آ گئی ہے۔

عوامی لیگ کے یہ گروپ فروعی اختلافات نہیں بڑے واضح اختلافات رکھتے ہیں۔ اس کے ساتھ ساتھ بائیں بازو کی وہ تنظیمیں جو زیر زمین کام کر رہی ہیں وہ بھی عوامی لیگ کے لئے بہت بڑے خطرے ہیں۔ شیخ صاحب ان کی طرف سے خاصے پریشان رہتے ہیں۔ ان کے لیڈروں کی گرفتاری کے اعلانات موجود ہیں بلکہ کئی لیڈروں کو ان کی عدم موجودگی میں سزائیں سنائی جا چکی ہیں۔ مگر ان کی خفیہ سرگرمیاں جاری ہیں۔ انہوں نے کئی علاقوں میں زمینداروں کو راستے سے صاف کر کے ان کی زمینیں کسانوں میں تقسیم بھی کر دی ہیں۔ پنجاب کے رکن صوبائی اسمبلی رفیق احمد کا قتل بھی اس سلسلے کی ایک کڑی بتایا جاتا ہے۔ معلوم ہوا ہے کہ اس قتل سے پہلے درختوں اور دیواروں پر سائیکلو سٹائل پوسٹر چسپاں کئے گئے تھے۔ جن میں اس قتل کی دھمکی دی گئی تھی۔ اور یہ گروہ اب اتنے مضبوط ہیں کہ پولیس ان کا کچھ نہیں بگاڑ سکتی۔ ان گروہوں کے خیال میں شیخ مجیب الرحمٰن بیورو کریٹ اور چند استحصالی گروہوں کی نمائندگی کر رہے ہیں۔ عوام ان کے ساتھ نہیں ہیں ان کے کئی ساتھی جیلوں میں اب بھی بند ہیں۔

مشرقی پاکستان میں جو اقتصادی صورت حال ہے وہ بھی از حد تشویشناک ہیں۔ وسائل بالکل معدوم ہو چکے ہیں۔ صنعتیں تو وہاں نہ ہونے کے برابر ہیں۔ زمینوں کو سائیکلون نگلتے جا رہے ہیں۔ زمین گھٹ رہی ہے۔ پانی اور انسان بڑھ رہے ہیں۔ پٹ سن، جو مشرقی پاکستان کا سونا تھی۔ اب اس کی پیداوار پہلے سی نہیں رہی۔ عوامی لیگی ماہرین اقتصادیات نے یہ تو سوچ لیا کہ ٹیکس اور زرمبادلہ مشرقی پاکستان کے قبضے میں رہنا چاہیئے۔ لیکن مشرقی پاکستان کے اقتصادی سرچشموں کا اندازہ نہیں کیا۔ خود مختاری تو مل جائے گی لیکن خود کفیلی کیسے ہو گی۔ چند ابھرتے ہوئے سرمایہ داروں اور مفاد پرستوں کی آمدنی میں اضافہ ہونے سے عام آدمی کو فائدہ پہنچے گا۔ ۲۳ سال کے عمل سے مغربی پاکستان جب اس انجام کو پہنچا ہے کہ وہاں ۲۲ خاندانوں میں دولت سمٹ کر رہ گئی ہے۔ تو اسی عمل سے مشرقی پاکستان میں کیا یہ صورت حال پیدا نہ ہو گی۔ پھر عوام اب زیادہ باشعور ہیں۔ اب کے وہ انگڑائی لے کر بیدار ہونے میں ۲۳ برس نہ لگائیں گے۔

جہاں تک عوامی لیگ کے منشور میں سوشلسٹ نظام معیشت کا تعلق ہے۔ اس پر عوامی لیگ کچھ زیادہ مخلص نظر نہیں آتی۔ کیونکہ دونوں جماعتوں کے ماہرین کی بحث کے دوران عوامی لیگ نے سوشلزم کو نقطۂ اشتراک و آغاز تسلیم نہیں کیا۔ حالانکہ سوشلسٹ نظام میں صوبوں کو جتنی خود مختاری اور سلامتی ملتی ہے وہ کسی اور نظام میں نہیں ہے۔ اور اگر مرکز کو بے یار و مددگار چھوڑ دیا گیا تو معقول اور پکی فیڈریشن کیسے بنے گی۔

ان کھوکھلی بنیادوں پر چلنے والی جماعت عوام میں زیادہ دیر اپنا بھرم نہ رکھ سکے گی۔ صرف ایک برس کے اندر اندر ہی دو جماعتیں اور تنظیمیں سیاسی سطح پر ابھر آئیں گی۔ جو مزدوروں، کسانوں اور طلبہ سے اپنے گہرے رشتے رکھتی ہیں۔

بقیہ: کراچی سے ڈھاکہ تک

شہ باغ میں کچھ پریس کلب کا حوالہ دے کر ایک ڈبل کمرہ ریزرو کروالیا۔ ہم سامان اٹھا کر پریس کلب سے چلنے لگے تو حسین نقی بھی لاہور سے آتے نظر پڑے۔ اتنے میں عابد زبیری بھی گئے۔ ان کے ساتھ شہ باغ میں آ کر کمرہ سنبھالا۔ پھر "رو چی تا" کی تلاش میں نکلے۔ یہاں قاسم پٹیل اپنے ساتھیوں سمیت لنچ کے لئے گئے تھے۔ ہمیں بھی دعوت دے گئے تھے۔ مگر اس وقت بہت دیر ہو چکی تھی۔ ہم تنہا ہی لنچ کھا کر ہوٹل لوٹے۔ بھٹو مجیب ملاقات میں گھڑیاں گننے لگے۔ جو سات بجے ہونا تھی۔ ساڑھے چھ بج رہے تھے۔ کانٹی نینٹل کے ریڈ وار، ایرانی، ترکی، پاکستانی چہروں سے سج رہے تھے۔ سیاسی چہرے بھی دکھائی دے رہے تھے۔ کچھ پری چہرہ بھی تھے۔ اور کچھ خالص تاجرانہ چہرے بھی۔ (جاری ہے)

بقیہ: نیشنل پریس ٹرسٹ

جاتے۔ ان کے ساتھ بھاؤ تاؤ ہوتا۔ منصوبے بنتے۔ جوڑ توڑ ہوتی۔ اس مقصد کے لئے پریس کے چند ملازمین کو اعتماد میں لیا گیا۔ انہوں نے اس اعتماد سے خوب خوب فائدہ اٹھایا۔ کہا جاتا ہے کہ کاغذ، روشنائی، فلمیں اور ایسا ہی دوسرا سامان پریس سے کھلے بندوں نکل کر جاتا اور بازار میں فروخت ہوتا۔ سومار تک شکایت پہنچی۔ نتیجہ اس شکایت کا یہ ہوا کہ شکایت کرنے والے برطرف ہوئے۔ غتہ بود کرنے والوں پر ذرا سی آنچ بھی نہ آئی۔ ان کا روبار اسی طرح دھڑلے میں چلتا رہا۔

غرضیکہ ہارون گروپ کی یہ کوششیں رنگ لائیں۔ خان بہادر حبیب اللہ کو ضمنی انتخاب میں شکست ہوئی انہوں نے ایوب خاں سے فریاد کی۔ ان کے خلاف جو سازش ہوئی تھی وہ بھی بتائی۔ انٹیلی جنس کے ذریعے خفیہ تحقیقات کرائی گئی۔ راز افشا ہوا تو ایوب خاں سخت برہم ہوتے۔ رازداروں کا کہنا ہے کہ کراچی کے ایوان صدر میں ایوب خاں نے تینوں کو بلا کر سخت سست کہا۔ سخت ناراضگی کا اظہار کیا۔ اسی قضیے میں محمود ہارون کو صوبائی کابینہ سے علیحدہ ہونا پڑا۔ سومار پر بھی نزلہ گرا۔ ان کی چیئرمین شپ خطرے میں پڑ گئی۔ مگر الطاف گوہر اس آڑے وقت میں کام آئے اور جناب محمد شعیب کی سفارش بھی کام کر گئی۔ اس طرح سومار بدستور چیئرمین برقرار رہے۔ (باقی آئندہ)

الفتح

Regd No : S - 2772

Weekly "Al - Fatah" Karachi

11—18 FEBRUARY, 1971



مشرقی پاکستان کے عوام نے پاکستان پیپلز پارٹی کے چیئرمین ذوالفقار علی بھٹو کا والہانہ استقبال کیا